[illegible]

حیات جاودانی

یعنی

منیر نواز جنگ محسن الدولہ محسن الملک نواب سید مہدی علی خان بہادر کے

حالات زندگانی

جو

مولانا سید امجد علی صاحب اشہری نے مرتب کیے

اور

بعد نظر ثانی و اضافہ مطالب جدید جناب منشی محمد مرتضیٰ خان صاحب شروانی

۱۹۰۸ء میں پہلی مرتبہ

کارخانہ پیسہ اخبار لاہور کی خادم التعلیم سٹیم پریس میں

باہتمام منشی محمد عبد العزیز منیجر کے چھپی

بعض کتب جو کارخانہ پیسہ اخبار لاہور سے شایع ہوئی ہیں

خالد بن ولید:- حضرت خالد بن ولید سیف اللہ مسلمانوں کے مشہور سپہ سالار کے حالات تاریخ اسلام کے اس نہایت پرجوش اور خالص حمیت کے زمانہ کی کیفیت مختلف مہمات اور میدانہائے کارزار کا نقشہ کھینچا گیا ہے (۱۸۴) صفحہ ۱۲ر

تذکرہ سلطان عبدالعزیز شہنشاہ مراکش:- بہت سی تصاویر کے ساتھ مولائے عبدالعزیز نوجوان سلطان مراکش کی زندگی کے اکثر حالات معہ سلطنت مراکش کے حالات وموجودہ مشکلات کے درج ہیں۔ باتصویر (۸۸) صفحہ ۸ر

نثرالجواہر:- سیرابی طیب والطاہر ترجمہ کتاب عربی نظم اردو وامرجان فی تلخیص سید الانس والجان۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عادات۔ حالات خصائل وشمائل پر یہ فارسی زبان کی مستند کتاب قابل دید ہے (۲۷۸) صفحہ ۱۲ر

سوانح عمری داغ:- نواب میرزا خانصاحب داغ بلبل ہند مرحوم کی زندگی کے دلچسپ حالات اور مشاہیر اساتذہ ذوق۔ غالب۔ مومن وغیرہ کے کلام سے مقابلہ معہ تصاویر (۲۳۲) صفحہ ۱۲ر

خان بابا:- جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے وکیل مطلق اور یار وفادار بیرم خانخانان کی زندگی کے حالات (۵۰) صفحہ ۴ر

حالات سعدی:- شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی کی زندگی اور تصانیف کے حالات (۱۵۰) صفحہ ۱۲ر

شیخ الرئیس:- معلم ثانی حکیم بوعلی سینا کی سوانح عمری (۵۰) صفحہ ۳ر

ڈاکٹر سیموئل جانسن:- مشہور انگریزی مصنف کا تذکرہ (۴۴) صفحہ ۲ر

مصنفان اسلام:- بیالیس سربرآوردہ مصنفان اسلام کے مختصر حالات (۴۲) صفحہ ۲ر

حیات فردوسی:- حکیم ابوالقاسم فردوسی کی سوانح عمری۔ شاعری کے حالات اور نامی شعرائے مقابلہ از مرزا حیرت دہلوی (۱۳۸) صفحہ ۸ر

آئینہ سکندری:- سکندر اعظم شاہ مقدونیہ کی سوانح عمری باتصویر (۹۰) صفحہ ۸ر

شرابی کی سچی سرگذشت جس میں وہ اپنی عمر بھر کی شراب نوشی کی بدولت تکلیفات کا خاکہ کھینچکر توبہ کرتا ہے ۴ر

حیات زینت النساء قابل دید (۶۶) صفحہ ۶ر

شہنشاہ بابر شہنشاہ بابر کے حالات - ۲ر

جون آف آرک - ایک یورپین جنگجو لڑکی جو خارق العادت طاقت کی دعویدار تھی ۴۴ صفحہ ۲ر

ڈیوڈ لونگسٹون:- افریقہ کے مشہور سیاح کے حالات ۳۶ صفحہ ۲ر

حکیم کنفیوشش:- چینیوں کے پیشوا کی سوانح عمری جسکے معتقد کئی کروڑ ہیں ۳۶ صفحہ ۲ر

حالات ذوق:- شیخ ابراہیم ذوق ملک الشعرائے ہند کے حالات ۴ر

حیات انشاء:- سید انشاء اللہ خاں انشا کے حالات زندگی معہ لطائف وانتخاب کلام فارسی واردو۔ نہایت عمدہ کتاب ہے۔ ۶۰ صفحہ ۵ر

دیباچہ

زلافِ حمد و نعت اولیٰ ست بر خاکِ ادب خفتن
ببحوئے میتوان کردن و درودے میتوان گفتن

خدا نے مسلمانوں میں ایک حس پیدا کر دی ہے - جس سے وہ زمانے کی ضرورتوں کو دیکھکر انگریزی تعلیم پر آمادہ ہو گئے ہیں - رفارمروں کی چیخ پکار سے اُن کی آنکھیں کھلتی جاتی ہیں اور وہ ہوش میں آتے جاتے ہیں -

آنریبل سر سید احمد خان بہادر نور اللہ مرقدہٗ کی ریفارم نے ہر حصۂ ملک میں بیداری کے اسباب پیدا کر دیئے ہیں - اور ہر چند مسلمانوں نے سو برس بعد تعلیم پر توجہ کی جس سے وہ دوسری قوموں سے پیچھے رہ گئے لیکن اب چند سال سے اُنکو علمی دوڑ میں دوسری قوموں سے جاگے نکلنے کا خیال پیدا ہوا ہے - اس سے اُمید ہوتی ہے کہ اگر انہوں نے اپنی رفتار کو تیز قدمی سے جاری رکھا تو یہ دوسری تعلیم یافتہ قوموں کے دوش بدوش چلنے لگینگے - سرسید کے بعد عالی جناب نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علیخان صاحب بہادر نے کالج کو ترقی دینے اور یونیورسٹی بنانے میں جو سعی مشکور فرمائی - اور اُن کے مساعی جمیلہ سے جو با اثر نتائج ظاہر ہوئے ہیں وہ نہ صرف کالج بلکہ تمام قوم اور نہ صرف قوم بلکہ تمام ملک میں سچی تعریف و تحسین سے دیکھے جاتے ہیں - اور گورنمنٹ بھی ان کے مہتم بالشان کاموں کو عزت سے دیکھتی اور ان کی قدر کرتی ہے -

"وہ قوم میں دوسرے سرسید مانے جاتے ہیں" سرسید انکی شان میں تحمک لحمی فرمایا کرتے تھے - سر جیمس لاٹوش صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ انکو دوسرا سرسید کہتے تھے - اور سچ بھی یہی ہے کہ اگر سرسید کے بعد نواب محسن الملک نہ ہوتے تو اس کالج کو ترقی کرنا کیا اپنی جان بچانا مشکل ہوتا - نواب محسن الملک کی ہدایت صاحب نے غیر متوقع حالتوں میں کالج کا قرضہ ادا کیا اور دس لاکھ روپیہ کا سرمایہ جمع کر کے آئی

جڑ کو ہمیشہ کیلئے مضبوط کر دیا۔ مدرسے کی آمدنیاں بڑھ گئی ہیں۔ جو عمارتیں ناتمام پڑی
تھیں وہ بہ وجوہ بنا کر تیار ہو گئی ہیں۔

حضور پرنس آف ویلس ولیعہد انگلستان اور ہز مجسٹی امیر کابل کی تشریف آوری اور قبول
معذرت سے اس کالج نے ایک خاص شہرت کا درجہ حاصل کیا ہے اور حضور ولیعہد کے نام نامی پر سائنس سکول کے
کھلنے سے کالج کی شان و عظمت میں ایک قابل قدر اضافہ ہوا ہے کلکتہ رنگون ہر ایران اور دوسرے ممالک غیر تک
کالج کے اثرات کی توسیع ہو گئی ہے۔ یہ نواب محسن الملک بہادر کی ذاتی وجاہت و رسوخ کوششوں کے نتائج ہیں
اور نواب صاحب مرحوم ابتدا سے انکے مونس سید کی [illegible] تھے مولانا الطاف حسین صاحب حالی نے سرسید
کی لائف سحر نوازی ہے حیات جاوید سے موسوم جس کی قیمت پانچ روپیہ ہے لیکن چونکہ ایسی قیمتی کتابیں
عام دسترس سے باہر ہیں اسلئے [illegible] کہ ان اصحاب کی مختصر سوانح عمریاں
شائع کیجائیں جو قیمت میں [illegible] کو انکا مول لینا آسان ہو۔ اور مرحوم
نواب محسن الملک بہادر کی سوانح عمری کو اس کتاب سے زیادہ حجم کی ضرورت ہے۔ لیکن پبلک کے
مذاق اور آسانی کا اندازہ کر کے اس مختصر سوانح عمری سے ابتدا کی جاتی ہے جو کثرت کے ساتھ ہر حصہ ملک
میں شائع ہو اور تمام قوم کے لوگ اسکو پڑھکر اپنے قومی رہنما مرحوم کے فضائل و شمائل سے آگاہ ہوں
پس قوم کو چاہیے کہ جناب مرحوم کے مساعی جمیلہ کو احسان سے یاد کرے اور اپنی اولاد
کو مدرسۃ العلوم علیگڈھ میں تعلیم پانے کے لئے بھیجے اور اسکی فیس اور مصارف تعلیم کا انتظام کرے
اور دوسرے مسلمانوں کے لڑکوں کی تعلیم کو اپنے بچوں کی تعلیم خیال کرے اور اپنے قومی کالج کو
یونیورسٹی بنانے کے لئے دامے درمے قدمے سخنے آمادہ ہو۔ غریب بھائی کالج میں وسائل تعلیم
کی تلاش کریں تاکہ حتی الامکان انکی تعلیم کی راہ نکلے۔ قوم اپنے قومی کالج کے لئے جتنی کوشش
کرے گی۔ اتنا ہی قومی کالج قوم کیلئے ذریعہ برتری ثابت ہو گا۔

سید امجد علی اشہری

منیر نواز جنگ محسن الدولہ محسن الملک نواب سید مہدی علیخان

بہادر مرحوم

تحمید و تمہید

خدائے وحدہٗ لاشریک کی صنعتوں اور حکمتوں کے سلسلۂ لامتناہی میں انسان بجائے خود ایک ایسا مجموعۂ صنعت و حکمت ہے جس سے کوئی مخلوق لگا نہیں کھاتی - ہم دیکھتے ہیں کہ آسمان ستاروں سے جگمگا رہا ہے لیکن خدا کے ان چمکدار ستاروں نے زمین کو رشک آسمان بنا دیا ہے - اس مشت خاک کا ذرہ ذرہ آسمانی ستاروں سے زیادہ نور بیز و حیرت انگیز ہے - اور جیسے آسمان کے ستاروں میں آفتاب و ماہتاب اور دوسرے ستاروں کی روشنی آسمان سے زمین تک اپنی روشنی ڈالتی ہے - ویسے ہی ان زمین کے ستاروں میں خاص خاص نورانی پیکر آفتاب و ماہتاب بنکر چمکتے اور دنیا کو چمکاتے ہیں -

ہر صدی میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوتے ہیں جو اپنی خداداد طاقتوں میں آپ ہی اپنا نظیر نظر آتے ہیں - اور ان سے دین اور دنیا کے ایسے کام ظہور پذیر ہوتے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں سے نہیں ہو سکتے اور نہ لاکھوں کروڑوں روپے کی دولت ان کے جوہر کمال کا مقابلہ کر سکتی ہے - ان کے عقول و افہام کی کنجیاں بڑے سے بڑے زنگ خوردہ فولادی قفلوں کو کھول دیتی ہیں - ان کے دماغوں میں عقل کامل کی وہ روشنی ہوتی ہے جس سے ظلمت کدہ عالم میں نئی روشنیاں ظلمت شب سے سپیدۂ سحر کی طرح پھوٹ نکلتی ہیں - اور ہر ایک سے مختلف طاقتوں کا اظہار ہوتا ہے جیسے

سر سید احمد خان بہادر نور اللہ مرقدہٗ جنکے دل کی طاقتوں اور دماغ کی روشنیوں نے مسلمانوں میں نئی روح پھونک دی اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کے گھروں میں انگلستان ویورپ کے برقی لیمپ روشن کر دیئے یا

نواب سر سالار جنگ بہادر مرحوم وزیر حیدرآباد جنکے نظم و تدبر نے حیدرآباد کی ظلمتوں سے نئی روشنی پیدا کی - اور حیدرآباد کو ایک معمولی درجہ سے شاہی گورنمنٹ

ے درجہ تک پہنچا دیا یا

نواب محسن الملک بہادر جنکی مختصر سوانح عمری کے متعلق یہ کتاب شائع کیجاتی ہے - انکا دل سرسید کے مقالات کا خزینہ اون کا دماغ سرسالار جنگ کے خیالات کا دفینہ تھا ہمارے نزدیک نواب محسن الملک کی لائف نہایت دلچسپ اور موثر ہوسکتی ہے - لیکن اُسکا مواد مثل شکل ہے جو حرف راز بنکر سرکاری دفتروں میں محفوظ ہے - نواب محسن الملک بہادر کی سوانح عمری کو اعلیحضرت نظام خلد اللہ ملکہ - سرسالار جنگ - نواب لائق علیخان مہاراجہ نریندر پرشاد - سرآسمانجاہ - سرخورشید جاہ - نواب اقبال الدولہ - اور دوسرے امرا کے پرائیویٹ تعلقات اور ویسرایان ہند اور برٹش رزیڈنٹوں کے پراسرار نامہ و پیام اور گورنمنٹ انڈیا اور گورنمنٹ نظام کے دوستانہ تعلقات اور نظام پالٹیکس اور انگلش پالٹیکس کے پیچ در پیچ خیالات سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ بغیر خاص منظوری کے اسکا مواد سرکاری دفتر سے باہر نہیں آسکتا - نظر بران ہمارا مقصد ایک مفصل اور مکمل لائف لکھنے کا نہیں بلکہ ہم ہندوستان کے ہر حصہ میں تمام مسلمانوں کو جناب مرحوم کے ضروری حالات خیالات سے واقف کیا چاہتے ہیں جسمیں سے وہ ہر بات میں اپنے قومی ریفارمر کا اندازہ کرسکیں - اور اُنکی تصویر سے گھر بیٹھے اونکی زیارت ہو جائے - جناب مرحوم کی رفتار ترقی مہدی - مہدی علی - مولوی مہدی علی - مولوی مہدی علی خانصاحب بہادر - منیر نواز جنگ - نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ مولوی مہدی علیخانصاحب بہادر سے ظاہر ہوگی -

مہدی

ممالک مغربی و شمالی کے نقشے میں کانپور اور آگرہ آباد کے درمیان جمنا کے کنارے اٹاوہ کی آبادی اسکی قدامت کا نشان دیتی ہے - اسکا گرا ہوا قلعہ اور خرابات کہن پتہ بتاتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی سلطنت سے پہلے ہندوؤں کے زمانہ عروج میں بڑے بڑے راجاؤن اور امیروں کے رہنے کے قصر و ایوان تھے - زمانہ کے انقلابات نے ہمیں خاک میں ملاکر چھوڑا اور ہوائے مخالف کی آندھیون نے ہماری خاک کو اڑا کر جہاں میں ڈالدیا -

آئین اکبری سے بھی اتنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاہنشاہ اکبر کے وقت میں یہ مقام اس لائق تھا کہ شاہی تاریخ میں اسکا ذکر کیا جائے۔ بادشاہ کے خزانچی کی ایک حویلی باون چوک والی ابتک زمانہ شاہی کی یاد دلاتی ہے۔ اب اس میں باون چوک نہیں لیکن اسکا ایک ایک پتھر اور لکڑی کی ایک ایک چوکھٹ سے اسکے بانیون کی عظمت اوران کے تمول کے افسانون کا ثبوت ملتا ہے۔ شہر کی آبادی کے دو حصے ہیں ایک پرانا شہر دوسرے نیا شہر۔ پرانے شہر میں ہندوؤن کی اور نئے شہر میں مسلمانون کی آبادی زیادہ ہے۔ اسی حصۂ شہر میں میر خورشید علی صاحب کا خاندان بجائے خود ایک محلہ کی آبادی رکھتا تھا۔ میر خورشید علی کا سلسلۂ نسب بارہہ کے نہایت مشہور خاندان سادات سے ملتا ہے۔ بتانا اس مختصر کتاب کے مقاصد سے خارج ہے کہ مہدی کے اجداد بارہہ سے اٹاوہ کب اور کس طرح آئے۔ ماں کی جانب سے مہدی کے سلسلہ کی کڑی شیخوپور فرخ آباد کے خاندان عباسیہ سے جا کر ملتی ہے۔ یہاں ہم ایک شجرہ لکھتے ہیں اس سے ضروری حالات کا انکشاف ہوگا۔

شجرہ

مولوی رفیق حسن
سید عزیز حسن
غلام پنجتن
مولوی علی حسن صاحب
منظر علی مرحوم
سید ریاض الحسن ایل ایل ڈی
نواب محسن الملک بہادر
سید ضمیر حسن
سید ریاض حسن
منشی علی مرتضیٰ
باقر علی مرحوم
میر گلزار علی
میر ضامن علی
میر فرزند علی
میر امداد علی
میر خورشید علی

اس شجرہ میں آپ دیکھیں۔ میر خورشید علی صاحب کے بیٹے میر ضامن علی صاحب تھیں اون کو خدا نے ۹ ردسمبر ۱۸۳۷ء کو (یعنی اس سال جس میں انگلستان کے تخت پر ملکہ وکٹوریا آنجہانی جلوہ افروز ہوتیں) وہ ستارہ روشن عطا کیا جو آگے چلکر آفتاب ہوگا۔ یعنی فرزند پیدا ہوا۔ تمام برادری میں مبارک سلامت کی دھوم ہوگئی اور چونکہ قدرت نے اس مولود کو تمام خاندان سے زیادہ حسین و جمیع پیدا کیا تہا اسلیئے مہربان ماں نے اپنے آغوش کی زینت سمجھا اور شفیق باپ نے اپنی آنکھ کی پتلی جانا۔ آرزومند بھائی کو اپنے بھائی سے عشق ہوگیا۔ محلہ اور برادری کے زن و مرد میں مولود کا ذکر پر جوش تہنیت سے ہونے لگا نظر بد سے محفوظ رہنے کو گنڈے باندہے اور تعویذ پہنائے گئے۔ محرم کی ساتوین کو منت کی ہنسلیاں ہر سال اضافہ ہوتی رہیں۔ اور اوسوقت کے مناسب حال جو خوشی ہوسکتی تھی۔ اس میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا گیا۔

ہر سال نذر و نیاز میں اضافہ ہوا تاکہ بچہ ہر طرح کے آسیب و گزند سے محفوظ رہے خاندان میں مذہب شیعہ کا دور دورہ تھا۔ علی حسن عباس نقی تقی سب نام جو سادات کیلیئے مخصوص ہیں۔ موجود تہے۔ اور ضامن کو مہدی سے مناسبت ہے اسلئے کہ امام مہدی کو امام ضامن بھی کہتے ہیں اسلیئے مہدی نام رکھا گیا۔ ماں باپ کے دلوں میں طرح طرح کے ارمان جوش زن ہوئے۔ اور چونکہ انگریزی دور میں تحصیلداری۔ ڈپٹی کلکٹری۔ صدر الصدوری بڑے سے بڑے عہدے سمجھے جاتے تھے اسلیئے ہر ایک کی زبان سے بار بار یہی دعا نکلتی کہ خدا تحصیلدار کرے۔ ڈپٹی کلکٹر کرے۔ صدر الصدور ہو۔ کوئی کوئی بی بی جسکے دل سے شاہی عہدون کی یاد نہ بھولی تھی کہدیتی کہ سہ ہزاری ہو۔ پنجہزاری ہو۔ یہ سن سنکر جوش نصیب مولود کی تقدیر کہہ رہی تھی کہ خدا اس مولود کیلیئے جو مانگو وہ دیئے کو تیار ہے لیکن زمانہ کے انقلاب نے خیالات کی بلندی کو چھین لیا تھا۔ بزرگوں کی دعائیں ان عہدون سے آگے کوئی درجہ نہ دیکھتی تہین۔ اسلیئے بار بار یہی دعا ورد زبان ہوتی تھی۔ آگے چلکر ہر ایک کی دعا نے مولود مسعود کو تحصیلداری اور ڈپٹی کلکٹری سے سہ ہزاری تک پہنچا کر چھوڑا۔

مہدی علی

وہ بچہ جو ابھی بزرگوں کے پیار سے مہدی مہدی پکارا جاتا تھا پندرہ سولہ برس کے سن میں درسیات عربی و فارسی سے فارغ ہو کر مہدی علی کہے جانے کے لائق ہوا۔ اُسکے علم و ادب نے بزرگوں کے دلوں میں اُسکے احترام کی مزید گنجایش پیدا کر دی۔ اور اس ستارہ کی روشنی سے تمام خاندان جگمگانے لگا۔ ذہن و حافظہ خداداد نے مشکلات علمیہ کو آسان کر دیا۔ جو لوگ سید مہدی علی کی بچپن کی ذہانت و ذکاوت دیکھتے تھے وہ اُن کے والد سے یہ پیشین گوئی کیا کرتے تھے۔ کہ آپ کا بیٹا اعلےٰ درجہ کا مولوی ہوگا۔ لیکن جس درجہ پر یہ ہونہار بچہ بڑا ہو کر پہنچا وہ ان میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ بچہ نہ صرف بڑا مولوی ہوگا بلکہ ملک اور قوم کی اعلےٰ درجہ کی خدمت انجام دیگا۔

ہر چند کہ اٹاوہ میں علم کا چرچا نہ تھا۔ اور اس خاندان کے بزرگ بھی علم کے رُتبہ شناس نہ تھے۔ مگر خود ہونہار مہدی کی صفائی باطن اور روشن دماغی نے اُنکو علمی لذتوں کا معرفت آشنا کر دیا تھا۔ اسلئے جو صاحب علم و کمال ملتا اس سے کچھ نہ کچھ حاصل کرتے۔ آخر کو جب بڑی کتابوں کا نمبر آیا تو مولوی عنایت حسین صاحب نے درس فضیلت کے نصاب کو پورا کیا اور مولوی سلامت اللہ صاحب کانپوری کے فیض صحبت نے بھی نہایت عمدہ اثر پیدا کیا۔ مولوی عنایت حسین صاحب جو علوم شرقیہ کے عالم متبحر اور دینیات کے فاضل اجل تھے۔ اصلی وطن اُن کا دیوہ (بارہ بنکی) تھا۔ مگر قصبہ پھپھوند (اٹاوہ) میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ طبیعت پہلے سے معقولات کی طرف مائل تھی۔ اس لئے معقولات پر زیادہ توجہ کی۔ آخر کو استاد کے فیض اور معقولات کے درس و مطالعہ نے دماغ میں ایک نئی روشنی پیدا کر دی اور منقولات کے مطالعہ نے دل کو نئی تحقیقات کی طرف ابھارا۔

مہدی علی کو انگریزی تعلیم حاصل کرنے کا بالکل موقعہ نہیں ملا تھا۔ کچھ تو اس وجہ

کہ اُس زمانہ تک مسلمان انگریزی تعلیم کی جانب متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ اور غالباً زیادہ تر اس سبب سے کہ ان کے بزرگ مذہبی غلو کی وجہ سے انگریزی تعلیم سے نفور تھے انہوں نے ہوش سنبھالنے پر خود بھی اس کی پروا نہیں کی۔ حتیٰ کہ علیگڈھ کالج کی سکرٹری شپ کے ابتدائی زمانہ تک وہ انگریزی سمجھ بھی نہ سکتے تھے۔ چنانچہ کلکتہ کانفرنس کے موقع پر خان بہادر مرزا شجاعت علی بیگ صاحب سکرٹری استقبالی کمیٹی کی انگریزی تقریر کے جواب میں منجانب ڈیلیگیٹان اُنہوں نے جو تقریر کی تھی اُس میں کہا تھا۔ کہ "مرزا صاحب کی انگریزی اسپیچ نے شہر خموشان کی حالت پیدا کردی۔ میں تو ان کی اسپیچ نہیں سمجھ سکتا۔ مگر قیاس یہی چاہتا ہے کہ حسب دستور اُنہوں نے ممبروں کا خیر مقدم کیا ہوگا" لیکن آخر میں انگریزوں اور انگریزی دانوں کی کثرت سے صحبت اور انگریزی آب وہوا میں تنفس کی وجہ سے انگریزی میں اتنی مہارت پیدا کرلی تھی کہ معمولی تحریر و تقریر کو بخوبی سمجھ لیتے تھے۔ باوجود اس کمی کے انہوں نے ملک و قوم کی جو خدمت کی وہ ہمارے اچھے اچھے گریجوایٹوں سے ہونی مشکل ہے۔ پانیر نے ۱۹۰۲ء میں اُن کے متعلق بالکل صحیح ریمارک کیا تھا۔ کہ "زمانۂ حال کے اُن مشہور لوگوں میں جو تعلیم انگریزی سے بے بہرہ ہیں بہت کم اشخاص نواب منیر نواز جنگ محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید مہدی علیخان صاحب بہادر کے ہم پلہ ہو سکتے ہیں"۔

اسوقت خاندان میں شیعہ مذہب کے رسم و رواج کا زور شور تھا۔ آئے دن مجلسیں ہوتی رہتی تھیں۔ عورت مرد لڑکا لڑکی سب ایک ایک رسم کو فرائض کبار سے بڑھکر سمجھ رہے تھے۔ عشرۂ محرّم اور چہلم میں تعزیہ داری کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ اِدہر اُدہر کے پڑہنے والے ذاکر جو آنکلتے تھے وہ بھی ٹھیرا لئے جاتے تھے۔ سُنّیوں کی ہر بات سے نفرت ظاہر کی جاتی تھی۔ غرضکہ یہ حالات تھے جن میں مہدی علی نے پرورش پائی۔ اور ہوش سنبھال کر دنیا کو دیکھا۔

محرری - پیشکاری - تحصیلداری

اگرچہ سید مہدی علی کے خاندان میں سرکاری ملازمت کا رواج نہ تھا۔ اور صرف ایک صاحب سید ظہور علی صاحب گذشتہ صدی کے وسط میں صدر الصدور اور نواب وزیر الدولہ کے عہد حکومت میں ریاست ٹونک کے وزیر ہوئے تھے۔ لیکن خدا کو منظور نہ تھا کہ سید مہدی علی بھی اپنے دیگر اہل خاندان کی طرح بالکل الگ تھلگ رہ کر گوشۂ عافیت میں زندگی بسر کریں۔ بلکہ مشیت ایزدی یہ تھی کہ وہ گم نامی سے نکلکر نیک نامی کی بلند ترین چوٹی پر پہنچیں اور اپنی خداداد غیر معمولی پوشیدہ قابلیتوں کو دنیا پر ظاہر کریں

ہونہار صاحبزادہ کے دل میں دینی اور دنیاوی امور کے متعلق نئی نئی خیالات اور نئی نئی امنگیں جوش زن ہونے لگیں۔ طبیعت میں ایک طرف سنی اور شیعہ کے مذاہب پر غور کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ دوسری جانب سرکاری ملازمت کی امنگ دل میں آئی۔ اور خود کو حاکم ضلع کے سامنے پہنچایا حاکم ضلع مسٹر ایلن ہیوم مشہور حامی کانگریس نے تاڑ لیا کہ یہ ہونہار لڑکا بڑے بڑے کام انجام دینے کے لایق ہوگا۔ اور فی الفور دس روپے ماہوار کی ایک محرری پر مقرر کر دیا۔ اگرچہ جگہ معمولی تھی۔ مگر آیندہ بہبودی کے آثار نظر آتے تھے۔ مسٹر ایلن ہیوم سید مہدی علی کے قابلانہ اور شریفانہ برتاؤ سے ایسے خوش ہوئے کہ بعد چندے ۱۸۵۷ء میں اہلمدی پر ترقی کر دی۔ اسی عرصہ میں غدر پڑ گیا اور اٹاوہ بھی باغیوں کے حملوں سے نہ بچ سکا۔ اور چند ماہ تک باغیوں کا قبضہ بھی شہر پر رہا۔ مگر سید مہدی علیؒ اور ان کا خاندان سرکار انگریزی ہی کا دم بھرتا رہا۔ اور قابل قدر خدمات انجام دیں۔ غدر کے فرو ہونے کے بعد جب انگریزی تسلط از سر نو قایم ہوا اور مسٹر ہیوم اٹاوہ کو واپس آئے تو مہدی علی کو پیشکار کر دیا۔ ڈیڑھ سال بعد سررشتہ دار کر کے اپنی پیشی کا کام سپرد کر دیا۔ اس طرح صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ کو بلا واسطہ ان کی قابلیت سے واقف ہونے کا موقعہ ملا۔ چنانچہ دو سال بعد ۱۸۶۱ء میں انہیں عہدہ تحصیلداری پر مامور کر دیا۔ اب گویا انہوں نے شہرت کے زینہ پر قدم

رکھا۔ کیونکہ بالکل ماتحتی کی صورت میں اُن کی اعلےٰ قابلیت اور تدبر کے نتائج براہ راست ان سے منسوب نہیں ہو سکتے تھے۔ اب زمانہ نے ترقی ساتھ مولویت کا سہرا مہدیعلی کے سر پر باندھا۔ اور اب وہ مولوی مہدی علی کہے جانے لگے۔ آگے چلکر شہرت عام اور بقائے دوام کا طرہ لگے گا۔ لیکن قبل اسکے کہ اُن کی سرکاری خدمات کے کارنامون کا ذکر کیا جائے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص واقعہ کا کچھ حال لکھیں جو اُن کے حالات زندگی میں مناسب جگہ پانے کا مستحق ہے۔

مولوی مہدی علی

جب عربی اور فارسی کی درسی کتابیں نکل چکیں۔ تو معقولات و مذہب کی کتابوں کے سیر و مُطالعہ کا خاص شوق ہوا۔ اور طبیعت سُنی اور شیعہ کے معتقدات میں چھان بین کرنے لگی۔ مرثیوں اور سلاموں کی جگہ کتب مناظرہ سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ شہر کی مسجدون مین سُنیوں کو جماعت سے نماز پڑھتے اور وعظ کہتے دیکھا اہل علم کی باتین سننے کا موقع ملا۔ شیعوں کی قلت اور سُنیوں کی کثرت کو دیکھکر یہ خیال پیدا ہوا کہ شیعہ محض نوحہ پڑھنے اور تعزیہ بنانے سے بہشت مین نہین جاسکتے۔ اور شیعوں کے پہرے بہشت کے دروازون پر قائم نہیں ہو سکتے کہ وہ کسی سنی کو بہشت میں نہ آنے دین۔ اور نہ لاکھون کروڑون سُنی شیعون کے عام خیال کے موافق دوزخ مین جھونکے جاسکتے ہیں۔ شیعون کا یہ کیسا خیال ہے کہ اپنے لئے میر انیس اور مرزا دبیر کے نوحہ و سلام سُنکر دو آنسو نکلنے پر قطعی جنتی ہونے کا فیصلہ کریں اور سُنیون کے نماز و روزہ کو فضول سمجھکر اونکو سزاوار دوزخ جانین۔ ایک طرف تو یہ خدشات پیدا ہو رہے تھے۔ جو ایک ذی علم و روشن خیال شخص کے دل میں پیدا ہوئے ضرور ہیں پیشکاری اور تحصیلداری پر مامور رہنے سے اکثر اعلےٰ عُہدہ دارون سے ملنے کا اتفاق ہوا جو سُنی مذہب رکھتے تھے۔ اُن کی صحبت نے سُنی مذہب کی خوبیون کو اور زیادہ استوار کر دیا۔

دوسرے کوئی شیعہ عالم و مجتہد موجود نہ تھا جو ایک ایسے محقق اور روشن خیال عالم کے خدشات کو دل سے دور کرسکتا اور نہ گھر میں سوائے سوز و مراثی یا معمولی کتابوں کے وہ ذخیرہ موجود تھا جسکے دیکھنے سے خدشات و وساوس دور ہوسکتے۔ اور دوسری طرف سُنی جماعت کے باا ثر مشاہدات سامنے تھے اور شیعوں کے مقابل سنیوں میں بعض ذی علم جنکے ساتھ مولوی سید مہدی علی کا ربط ضبط تھا۔ شیعہ مذہب کی برائیاں ظاہر کرنے کی زیادہ قابلیت رکھتے تھے۔

اسلئے مولوی مہدی علیصاحب کی طبیعت میں گروہ شیعہ سے نکلکر سُنی جماعت میں ملنے کی خاص رغبت پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ انھوں نے ایک روز علانیہ اعلان کردیا کہ اب وہ سُنی ہوگئے ہیں۔ اس خیال کے ظاہر ہونے سے اون کے خاندان اور شیعہ پارٹی کو سخت رنج پہنچا اور اسکے مقابل سُنی پارٹی میں عید ہوگئی۔ تمام اٹاوہ کے سنیوں نے اونکو اپنی مسجد میں لیجاکر اپنا پیشوا بنایا۔ اور مولوی مہدی علی صاحب نے خود کو ایک بڑی جماعت کا پیشوا دیکھا۔ اور دور دور کے علماء اور مشائخ اور صاحب جاہ لوگوں نے مصافحہ کو ہاتھ بڑھائے۔ جو ہاتھ بجائے خود ایک تاثیر سے خالی نہ تھے۔ اب ان کو یہ شوق پیدا ہوا کہ اپنے سنی ہونے کا ایک نمایاں ثبوت پیش کریں جس سے تمام ہندوستان کی سُنی جماعت اوسپر فخر و ناز کرے۔ اسکے لئے وہ سُنی اور شیعہ کے مناظرہ پر بعض معرکۃ الآرا مقدمات کے فیصل کرنے پر آمادہ ہوئے اور انھوں نے آیات بیّنات نام ایک کتاب لکھی۔ جو ابتدا میں جزءً جزءً بطور رسالہ شائع ہوا کرتی تھی اسمیں کچھ شک نہیں کہ مولوی مہدی علی صاحب نے اپنے پہلے مذہب کو اپنے دوسرے مذہب سے شکست دینے میں بڑی طاقت خرچ کی ہے۔ اور شیعوں کو شکست اور سُنیوں کی فتح میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ جب چھپ کر کتاب شائع ہوئی تو خود مولوی مہدی علی صاحب کے برادران شیعہ میں سے ان کے ایک بھائی نے آیات بیّنات کا جواب لکھا۔ جسپر شیعہ ویسے ہی فخر کرتے ہیں جیسے سُنی آیات بینات کو دیکھکر خوش ہوتے ہیں لیکن دونوں فریق سے زیادہ خود مصنف کو اس کتاب سے

فائدہ پہنچا۔ اوسکی آنکھوں کے سامنے دونو مذہب کے واقعات کھل گئے۔
اس تصنیف نے مُصنّف کو ایک نہایت اعلےٰ درجہ کا پولٹیشن بنا دیا۔ اور نہ صرف پولٹیشن بنایا۔ بلکہ اُسکی قوت تحقیق و تنقید نے نہایت اعلےٰ درجہ کا جج بھی بنادیا۔
رسول مقبول کی رحلتِ خلافت کی بحث علیؑ ابن ابی طالب کی وصایت امیر معاویہ کے دعوے امام حسن کی علیحدگی نے پالٹیکس کے نہایت گہرے معانی و مطالب کو پولٹیکل شان سے سمجھا دیا۔ اور باغ فدک اور دوسرے دعاوی کی تنقیح اور فیصلہ نے وہ سبق دیا جس سے ایک ایسا روشن خیال جج بننے کی پوری تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔
ہمکو اس مقام پر اس کتاب کا ریویو کرنا مقصود نہیں اور نہ ہم سنی و شیعہ کی بحث میں پڑنا چاہتے ہیں۔ اسلیئے اس باب میں خامہ فرسائی کرنا نہیں چاہتے۔
مولوی مہدی علی کے مذہب کی نسبت یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ ابتداً وہ نہایت غالی شیعہ تھے۔ جب شیعہ سے سُنی ہوئے تو کوئی جمعہ خالی نہ جانے دیتے تھے۔ جس میں جامع مسجد میں منبر پر بیٹھکر وعظ نہ کہتے ہوں۔ اور جب سرسید کی پارٹی میں شریک ہوئے یا عرف عام کے بموجب نیچری بنے تو وہ سرگرمی دکھائی کہ سرسید کے خلیفہ بلا فصل قرار پائے۔ اسکے متعلق ایک لطیفہ مشہور ہے کہ جب انہوں نے سرسید کی حمایت میں مضامین لکھنے شروع کئے تو ایک سُنّی صاحب نے اُن کے کسی شیعہ عزیز سے جاکر از راہ ناسف کہا کہ "نہایت رنج و افسوس کا مقام ہے کہ آپکا عزیز مہدی علی نیچری ہو گیا" جس کا جواب سنی صاحب کو یہ ملا کہ "میاں! ہم تو مہدی علی کو اُسی دن رو بیٹھے تھے۔ جس روز وہ اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر سنی ہوا تھا۔ اب تو تمھارے لئے رونے کا موقع ہے کہ وہ سنی سے نیچری ہو گیا۔"

تحصیلداری

۱۸۶۱ء میں جب مولوی مہدی علی صاحب عہدہ تحصیلداری اٹاوہ پر مامور ہوئے تو تمام

شہر کو خوشی ہوئی۔ مولوی مہدی علی صاحب اور مسٹر ہیوم کلکٹر و مجسٹریٹ (خاتی جنیل کانگریس) یکجان دو قالب تھے۔ مسٹر ہیوم کی توجہ اور تائید سے جو کام مولوی مہدی علیصاحب نے زمانۂ تحصیلداری اٹاوہ مین کر لئے وہ اون کے بعد کسی تحصیلدار و کلکٹر کی کارگزاری میں نظر نہیں آتے۔ اٹاوہ کی تمام پختہ اور عریض سڑکین مولوی مہدی علیصاحب کی یادگار ہیں۔ اٹاوہ کا مشہور گنج جو مسٹر ہیوم کے نام سے بنوایا گیا۔ مولوی مہدی علی صاحب کی حسن تدبیر سے ہزارون روپے کے خرچ میں تیار ہوا جس سے آج ہزارون روپیہ سال کا کرایہ آتا ہے۔ اٹاوہ کی کچہری تحصیل جسکے مثل شاید کہیں تحصیلی کا مکان نہ ہوگا۔ مولوی مہدی علی کے نقش اولین کو یاد دلاتی ہے۔ جب مسٹر ہیوم کی جگہ مسٹر پالک اٹاوہ کے کلکٹر ہوکر آئے تو وہ بھی مولوی مہدی علی کی مٹھی میں رہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں طبیعت شناسی کی خاص قابلیت رکھی گئی تھی۔ اُن کے عہدہ تحصیلداری کی کامیابی کا یہی ثبوت ہے کہ انہیں ڈپٹی کلکٹری کے اختیارات تحصیلداری اٹاوہ ہی کے زمانہ میں مل گئے تھے۔

اٹاوہ کا مدرسہ اور منصفی اور کوتوالی وغیرہ کی عمارتین مولوی مہدی علی صاحب کے وقت مین تیار ہوئین۔ کسی کام میں ہزارون روپے کا خرچ کر دینا۔ اور پھر اس خرچ کو دوسری جگہہ سے پورا کرا دینا مولوی مہدی علی صاحب کا معمولی کام تھا۔ ایک مرتبہ کسی کام کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی تو مسٹر ہیوم کی چیٹھی لے کر مہاراجہ جیاجی راو گوالیار کے پاس جا پہنچے۔ اور وہان سے کام بنا کر اُس خرچ کو پورا اور مسٹر ہیوم کو خوش کر دیا۔

یہ خصوصیت اُن کے آیندہ کارنامون خصوصاً علیگڈہ کالج کی سکرٹری شپ کے زمانہ مین نہایت نمایان طور پر نظر آتی ہے۔

اسی زمانہ کا ایک اور واقعہ ذکر کرنے کے لائق ہے۔ وہ یہ کہ ۱۸۶۳ء میں اُنھون نے ڈپٹی کلکٹری کے لئے امتحان مقابلہ پاس کیا۔ اور بہت سے انگریزون تک سے امتحان میں اول نمبر پر رہے۔

ڈپٹی کلکٹری مرزاپور

تحصیلداری اٹاوہ سے ۱۸۶۶ء میں ڈپٹی کلکٹری مرزاپور پر ترقی پائی۔ یہاں بھی مسٹر پالک مجسٹریٹ و کلکٹر ایسے مہربان ہوئے کہ دوسرے عہدہ دار حیران ہوتے تھے کہ مولوی مہدی علی صاحب نے مسٹر پالک پر کیا جادو کیا ہے جو وہ ہر باب میں انکا دم بھرتے ہیں اور ان کے خیال میں ان سے بہتر کسی ہندوستانی عہدہ دار کا ہونا ناممکن ہے۔

ڈپٹی کلکٹری مرزاپور ہی کے زمانہ میں وہ ریاست دودھی کی سپرنٹنڈنٹی اور راج برہل کے کورٹ آف وارڈس کی ممبری بھی کرتے رہے۔ اور باوجودیکہ یہ تمام کام بڑی ذمہ داری کے تھے مگر اس خوش اسلوبی سے انہیں نباہا کہ صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ مرزاپور نے اپنی ایک سالانہ رپورٹ میں لکھا تھا۔ کہ "میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مہدی علی سے زیادہ ذہین مستعد اور ایماندار کوئی ملازم صوبہ مغربی و شمالی (حال صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ) میں نہیں ہے"۔

خلعت کی سفارش

سنہ ۱۸۶۹ء میں صاحب کمشنر (الہ آباد) کی سفارش پر مولوی سید مہدی علی خان بہادر کو گورنمنٹ سے خلعت ملا۔ اس زمانہ میں سرسید ولایت تھے۔ اس کی مبارکباد دیتے ہوئے ان کو سرسید نے لکھا تھا۔ "بھائی مہدی! تم پائنیر اخبار الہ آباد کے ایک آرٹیکل کا ترجمہ سنو۔ وہ لکھتا ہے کہ آج کل ہندوستان میں مسلمانوں کے خاندان روز بروز گھٹتے جاتے ہیں۔ چنانچہ صرف بنگال میں تمام سرکاری ملازموں میں چند مسلمان ہیں۔ سو وہ بھی ضعیف العمر ہیں اور جلد پنشن لینگے۔ اور ان کی جگہ یقیناً کوئی مسلمان نہیں ہوگا۔ اور آیندہ بجز چپراسی اور دفتری کے کوئی مسلمان معزز عہدہ پر نہیں ہوگا ...... جو عزت تم کو خدا دے وہ تمام قوم کی عزت ہے۔ اور مجھکو دوہری خوشی ہے ایک قومی۔ دوسری خاص محبت محبوبیت کی اللہ تعالی ہمیشہ با اقبال رکھے"!

مولوی مہدی علی خان صاحب بہادر

ڈپٹی کلکٹری پر مامور ہوکر مولوی سید مہدی علی صاحب مولوی مہدی علی خانصاحب بہادر ہوگئے۔ اور روبکاروں وغیرہ سرکاری کاغذات میں انہیں لفظوں سے یاد کئے جانے لگے۔

واضح رہے کہ خان بہادر کا خطاب سرکاری نہ تھا۔ بلکہ بوجہ اپنے عہدہ کے وہ مہدی علی خان بہادر لکھے جانے لگے تھے۔

سر سالار جنگ کی قدردانی

حیدرآباد کے مشہور وزیر سر سالار جنگ نواب محمد تراب علی خان بہادر مرحوم کلکتہ کو گئے تھے۔ جب وہان سے لوٹے تو مرزاپور مین گذر ہوا۔ یہان مہدی علیصاحب کو دیکھا۔ پہلا اثر تو اونکی صورت دیکھتے ہی ہوا کیونکہ اس زمانہ مین مولوی مہدی علی صاحب ایک یوروپین معلوم ہوتے تھے۔ دوسرے جو باتین اُن سے کین اور جس خوبی سے مولوی صاحب نے اون کے جواب دیئے اونکو سنکر اس فرزانہ یگانہ نے تاڑ لیا کہ برٹش گورنمنٹ کے جواہرخانہ مین یہ لعل شب چراغ دولت آصفیہ کے لائق ہے اور ۱۸۷۴ء مین گورنمنٹ سے انکی خدمات حیدرآباد کو منتقل کرالین اور بارہ سو روپیہ ماہوار پر بندوبست ملک محروسہ عہدہ انسپکٹر جنرل مال کا کام سپرد ہوا۔ مسٹر فریدون جی جوآج ہز اکسیلنسی مدار المہام کے پرائیویٹ سکرٹری ہین ان کو مولوی مہدی علی صاحب نے اپنا دست راست بنایا اور اورنگ آباد میں بیٹھکر کام شروع کیا۔

منیر نواز جنگ مولوی مہدی علیخانصاحب بہادر

چندماہ کے بعد سر سالار جنگ نے مولوی مہدی علی صاحب کی رپوٹون کو دیکھکر اور مولوی صاحب کی زبان سے اسمالک کے حسب حال نئی نئی اسکیمون کے تجویزین سنکر مولوی صاحب

کو اپنے پاس رہنے کے لائق خیال کیا اور اس خیال سے معتمد مالگذاری مقرر کر دیا۔ گویا
تمام ملک کی وزارت مال کا چارج مولوی صاحب کے سپرد ہو گیا۔ اور بجلدوی حسن کار
گذاری منیر نواز جنگ بہادر کا خطاب باضافہ سند صدروپیہ ماہوار کے دیا گیا۔ اور محکمہ
بندوبست بھی ان کے ماتحت رکھا گیا۔ یہان ان کو اپنے مدبرانہ صفات کے ظاہر
کرنے کا پورا موقع ملا۔ اور وہ بہت جلد محکمہ پیمایش و بندوبست کے کمشنر ہو گئے۔
اور ریاست و رعایا دونون کی بہتری کے واسطے مناسب لگان تمام زمینوں پر لگا
دیا۔ آنریبل سر اسٹوارٹ لفٹننٹ گورنر بنگال نے سنہ ۱۸۸۶ء میں انہیں لکھا تھا کہ "تم نے
محکمہ جات پیمایش۔ بندوبست اور مال گذاری کو ایسے عمدہ اصول پر قایم کیا ہے
کہ حضور نظام کے ہان میں تمہارے انتظامی کارنامون کو وزیر اعظم کے بعد سب سے
بہتر خیال کرتا ہون"۔ سر سالار جنگ نے سنہ ۱۸۷۶ء میں منیر نواز جنگ مولوی سید
مہدی علی خان بہادر کو اپنا مالی سکرٹری مقرر کر لیا۔ اور پورا اطمینان اور بھروسا ظاہر
کیا۔ سر سالار جنگ منیر نواز جنگ بہادر کی ہر ایک کارروائی سے بے حد خوش ہوتے
تھے۔ اور ان کے سپاس گذار تھے۔ چنانچہ ان کا مقولہ تھا کہ "اس شخص کی صائب
رائے اور نکتہ سنجی پر مجھے جسقدر اعتماد ہے اتنا کسی اور کی رائے پر نہیں ہے"۔

نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ مولوی مہدی علیخان صاحب بہادر

مولوی مہدی علیخانصاحب بہادر کی خداداد قابلیتون نے ہر کام کو اس حسن و خوبی سے
انجام دیا کہ سالار جنگ جیسا شخص دنگ رہ گیا اور تمام ملک مین اسکی تعریف زبان زد
خاص و عام ہو گئی۔ اسکے بعد سر سالار جنگ کا انتقال ہوا اور ان کے نامور فرزند لبعضاد
السلطنت نواب لایق علیخانصاحب بہادر مدار المہام ہوئے تو انہونے اپنے باپ کے
مستند معتمد منیر نواز جنگ مولوی مہدی علیخانصاحب بہادر کو اپنا دست راست بنایا

اور ۱۸۸۴ء میں انکو معتمد فنانس و پولیٹیکل کیا گیا۔ اس وقت گویا منیر نواز جنگ کے اثر و اقبال کا ستارہ نصف النہار پر تھا۔ اس عہدہ کے تحت مین ریاست کے تمام محکمہ جات پر افسری حاصل ہوئی اور برٹش گورنمنٹ اور نظام گورنمنٹ کے رسل و رسایل اور نامہ و پیام بھی ان کے ذریعے سے ہونے لگے۔ اور تمام خدمتوں کو عام تعریف سے انجام دینے پر نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ مولوی مہدی علی خان صاحب بہادر کا خطاب اور سہ ہزاری کا منصب عطا کیا گیا۔ اور تین ہزار روپیہ ماہوار کی تنخواہ ہوئی اس ترقی و تقرر کو نظام اسٹیٹ کی تمام پارٹیون اور تمام امرا و عہدہ داران نے پسندیدہ نگاہ سے دیکھا اور ہر دل نے خوشی سے قبول کیا۔

حیدرآباد میں یہ قبولیت نواب محسن الملک ہی کا حصہ ہے جو سوائے ان کے کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ برٹش رزیڈنٹون نے بھی ان کو سب عہدہ داروں سے بہتر ادائے خدمات کے قابل جانا۔ اور نواب محسن الملک بہادر کی کارفرمائی نے وہ ناموری اور بلندنامی حاصل کی جو انکا حصہ ہوگئی۔ ایسی جگہ رہکر یہ بات انہین کو نصیب ہوئی کہ ہندو مسلمان سنی شیعہ۔ دکنی و آفاقی۔ پارسی و مدراسی سب ان سے خوش رہے۔

۱۸۷۷ء میں جو قحط حیدرآباد دکن کی ریاست میں پڑا اس کی رپورٹ انہون نے نہایت قابلیت اور محنت سے لکھی اور کمشنران قحط کے سوالات کے جواب ایک بڑی رپورٹ مین لکھے۔ جس مین ایک کامل خلاصہ حیدرآباد کے محکمہ مال کی تاریخ کا شامل ہے نیز انہون نے سب سے پہلی روئداد گورنمنٹ نظام کے ہر قسم کے محاصل کی مرتب کی۔ جو ۱۲۸۸ ف میں شائع ہوئی۔ یہ کام انہون نے ایسی محنت اور جفاکشی سے انجام دیا کہ ان کی صحت میں خلل آگیا۔ اور وہ ایک سال تک ایسے بیمار رہے۔ کہ اس زمانہ میں اپنے ماتحت سرشتون کی نگرانی بھی نہین کر سکتے تھے۔ سر سالار جنگ اعظم نے اپنی وفات سے ایک سال پہلے جو ایک نہایت اہم اسکیم اصلاحات کی لارڈ سٹوارٹ بیلی کو بھیجی تھی وہ محسن الملک ہی کی دماغی قابلیت کا نتیجہ تھی۔ ان مین سے بعض اصلاحین سر سالار جنگ اعظم کی زندگی میں جاری ہوگئی تھین۔ مگر باقی اصلاحین

۱۸۸۵ء میں جاری ہوئین۔ سرسالار جنگ کی وفات کے بعد سر اسٹوارٹ بیلی اور مسٹر جیس نے محسن الملک کی خدمات عظیمہ کی بڑی قدر شناسی کی اور دونون نے ان کی لیاقت اور ہز ہائی نس کی گورنمنٹ کی نسبت ان کی وفاداری کی بے حد تعریف لکھی۔ سرسالار جنگ ثانی کے عہد مین بھی ان کا وہی اعزاز قایم رہا۔ جو سرسالار جنگ اول کے عہد مین تھا۔ اور اس زمانہ میں بھی کوئی اہم کام ملکی و مالی اصلاح کا بغیر ان کی رائے کے نہین ہوتا تھا۔ جس زمانہ مین وہ فنانشل اور پولٹیکل ڈپارٹمنٹ مین تھے۔ اُس زمانہ مین ایک جنرل فنانس کمیٹی قایم ہوئی تھی۔ جس کے وہ سکرٹری مقرر ہوئے تھے۔ انہون نے ان خدمات کو بھی نہایت عمدگی سے انجام دیا۔ حیدر آباد کی سب سے پہلی انتظامی رپورٹ انہی کے قلم سے نکلی۔ جس کے نمونے پر بعد مین رپورٹین لکھی جانے لگیں۔

ولایت کی روانگی

بعد چندے نواب لائق علیخانصاحب عہدۂ مدار المہامی سے علیحدہ ہوئے اور امیر اکبر سر آسمانجاہ بہادر کو مدار المہام کیا گیا۔ تو ہر چند کہ اس زمانہ میں نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب مرجع عام ہو گئے۔ لیکن خاص کامون مین نواب محسن الملک بہادر کا وقار اپنی حالت پر قایم رہا۔ اس زمانہ مین نواب محسن الملک بہادر کو معدنیات کے جنہا پیچیدہ معاملات کا فیصلہ کرنے کیلئے انگلستان بھیجا گیا۔ نواب فتح نواز جنگ مسٹر مہدی حسن اور مسٹر فرید ونجی (جواب ہز اکسلنسی مدار المہام کے پرائیویٹ سکرٹری ہیں) ان کے ساتھ کئے گئے۔ اس معاملہ کو بھی نواب محسن الملک نے بڑی دانشمندی و عاقبت اندیشی سے طے کیا اور نظام گورنمنٹ کو سیکڑون انگریز حصہ دارون کی نالش و فریاد سے بچا لیا۔ جسکے تعلقات میں سوار دلیر جنگ عبدالحق مرحوم سابق عہدہ دار و معتمد سرکار نظام نے بڑی پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں۔ اس مقدمہ کی نواب محسن الملک نے لنڈن کی اسپیشل کمیٹی

کے روبرو ایسی قابلیت سے پیروی کی کہ حضور نظام اس انتخاب کی کامیابی سے بیحد مسرور و محظوظ ہوئے۔ اور محسن الملک پر اور بھی زیادہ اعتماد و اعتبار کرنے لگے دوران قیام انگلستان میں انہوں نے وہاں کے بہت سے مشہور و معروف لوگوں سے ملاقات کی۔ جنمیں سے ایک مسٹر گلیڈسٹن بھی تھے۔ جو اس زمانہ میں انگلستان کے وزیر اعظم تھے۔ مسٹر گلیڈسٹن محسن الملک سے ملکر ایسے خوش ہوئے کہ ان سے مرنے تک (۱۸۹۸ء) ہمیشہ پرائیویٹ خط و کتابت رکھی۔ مسٹر گلیڈسٹن سے عالی دماغ شخص کی دوستی ان کی قابلیت کی بہترین ضمانت ہے۔

حیدرآباد سے رخصت

سر آسمانجاہ بہادر کے آخر عہد وزارت میں بعض نا عاقبت اندیش لوگوں کی مخالفت اور آپس کی نفسا نفسی نے تمام پارٹی کو درہم برہم کر دینے کا موقع پایا۔ اور شمالی ہندوستان کے وہ روشن ستارے جو آسمان حیدرآباد پر آفتاب ماہتاب زحل و عطارد بنکر چمک رہے تھے۔ ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر گرنے لگے۔ اور مسٹر پلوڈن صاحب بہادر رزیڈنٹ حیدرآباد نے ایک دوسرے کی مخالفت سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ تاکہ نظام گورنمنٹ کو اپنی مٹھی میں بند کرنے کا موقع ملے۔ اور اسی عرصہ میں سر آسمانجاہ کی وزارت کو شکست ہوئی اور نواب اقبال الدولہ کو مدار المہام کرایا گیا۔ ان کا خیال پہلے سے یہ تھا کہ پرانے عہدہ داروں کے نکل جانے سے ان کی وزارت کو استحکام حاصل ہوگا۔ اسلئے اون کے تقرر سے پہلے بعض کارروائیاں کر دی گئیں اور تھوڑے عرصہ میں نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب چیف سکرٹری مدار المہام اور نواب مہدی نواز جنگ مسٹر مہدی حسن صاحب چیف جسٹس ہائیکورٹ اور نواب محسن الملک بہادر معتمد پولیٹیکل و فنانس اگست ۱۸۹۳ء میں یکے بعد دیگرے رخصت کیا گیا۔ ۱۵ر جولائی ۱۸۹۳ء کی صبح کو جب نواب محسن الملک حیدرآباد سے رخصت ہوئے تو ہزاروں آدمی انہیں رخصت کرنے کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے جن میں

امرا سے لیکر غربا تک ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے۔ کوئی جلگیر ہوتا تھا۔ کوئی قدم چومتا تھا۔ اور ایسا تو کوئی نہ تھا جو زار و قطار روتا نہ ہو۔

[بعد میں نواب سرور جنگ بہادر معتمد پیشی اعلےٰ حضرت کا نمبر آیا۔ آخر میں شمس العلما مولوی سید علی صاحب بلگرامی معتمد ریلوے و معدنیات اور جناب مولوی سید علی حسن صاحب ناظم بندوبست ملک محروسہ و رکن مجلس مالگذاری باقی رہے تھے۔ انکو بھی آپس کی نفسا نفسی نے حیدر آباد میں رہنے نہ دیا۔ چنانچہ مولوی سید علی صاحب ولایت چلے گئے اور مولوی سید علی حسن صاحب رونیو ممبر کونسل ریاست اندور ہیں۔ جو سنٹرل انڈیا کا صدر مقام ہے۔ اور اب تمام عہدے یوروپینوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ اور مسٹر واکر صاحب بہادر نواب محسن الملک کی جگہ سب کی دیکھ بھال فرماتے ہیں اور بعض لائق دکنی وندراسی مُنہ دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔]

اصلاح دفاتر

واضح ہو کہ جب ہز اکسلنسی سر سالار جنگ بہادر اول نے محسن الملک کو معتمد مقرر فرمایا تو دفتروں کی یہ کیفیت تھی کہ ہزاروں مثلیں اور لاکھوں کاغذات میلے کچیلے کپڑوں میں بندھے ہوئے بطور انبار کے رکھے جاتے تھے اور افسران محکمہ جات اور اہل عملہ بوسیدہ گدّوں یا دری اور جاجم کے فرشوں پر بیٹھے نظر آتے تھے۔ اسی پر محکمہ جات کی دوسری حالتوں کا قیاس کر لیجیے۔ معتمدین اور افسروں اور ذمہ دار عہدہ داروں کی تنخواہیں بھی اس درجہ و منصب کی غرتوں کے حسب حال نہ تھیں جو عہدہ داران سرکار انگریزی کے مقابلہ میں گورنمنٹ نظام کی عزتوں کا اظہار کر سکیں۔ اعلےٰ عہدہ دار سواریوں کے بھی پابند نہ تھے۔ کہ کس درجہ کے عہدہ دار کو کس درجہ کی سواری اختیار کرنا چاہیئے۔

نواب محسن الملک نے انگریزی طرز عمل کے مقابلہ میں نظام گورنمنٹ کے عہدہ داران

کو بہہ وجوہ آراستہ کیا اور ہر ایک کے مناسب حال تنخواہون مین اضافہ کرایا۔ اور جو سواری جسکے مناسب حال تھی اُسکے رکھنے کا قاعدہ مقرر ہوگیا اور تمام دفترون کی پرتال ہوکر تمام مثلون اور کاغذون کی باقاعدہ ترتیب کرائی گئی۔ اور ہر صیغہ کے بستون کے جُدا جُدا رنگ تجویز ہوئے اور تمام محکمون کو میز کرسی اور مناسب درجہ فرنیچر سے آراستہ کیا گیا۔ اور محکمہ بندوبست نے آپ کی کارگذاری وکارفرمائی سے اسملک مین انتظام عملی کو ایک نئی صورت مین جلوہ گر کیا جس سے نظام اسٹیٹ کی ترقیون مین قابل قدر اضافہ ہوا۔

رعایا کے کام جو سالہا سال سے پڑے ہوئے تھے اُن کے نکالنے میں بہت بڑی جانفشانی کا اظہار کیا۔ مال کے کامون میں حیرتناک قابلیت ظاہر کی۔ جسپر سالار جنگ جیسے مُدبر نے آپ کو لاثانی معتمد مان لیا پھر عمادالسلطنت نواب لائق علیخان کے عہد وزارت مین نظام گورنمنٹ کے مالی اور ملکی کامونکو جو شہرت مزید حاصل ہوئی۔ وہ سب نواب محسن الملک کے عام پسند طرز عمل اور کارگزاری کا نتیجہ ہین۔

سرلیپل گرفن کے پمفلٹ کا جواب

سرآسمانجاہ کے زمانہ وزارت میں جب نواب محسن الملک بہادر کو انگلستان بھیجا گیا۔ تو وہان برٹش گورنمنٹ کے مشہور پولیٹیشن سرلیپل گریفن سے (جنہون نے امیر عبدالرحمن خان کو تخت نشین کابل کیا تھا۔ اور جو سنٹرل انڈیا کے مشہور رزیڈنٹ رہ گئے تھے) ملنے کا اتفاق ہوا۔ سرلیپل گریفن نواب صاحب سے ملکر ایسا خوش ہوئے اور نواب صاحب کی باتون کو انہون نے ایسا قابل قدر خیال کیا کہ وہ تمام ہندوستان مین صرف نواب محسن الملک اور خلیفہ محمد حسین خان صاحب مرحوم سابق وزیر اعظم پٹیالہ کے کامونکو تعریف کا مستحق خیال کرتے تھے باقی بس۔

اسی زمانہ مین انہیں گریفن صاحب کے رزیڈنٹ حیدرآباد ہونے کی

خبر شائع ہوئی تھی اور سر لیپل گریفن نے حیدر آباد کی بد انتظامیون پر ایک پمفلٹ چھپوایا تھا۔ اس پمفلٹ نے پولیٹیکل دماغون مین ایک غیر معمولی اثر پیدا کر دیا تھا۔ کیونکہ سر لیپل گریفن جیسے عہدہ دار کا پمفلٹ کوئی معمولی کاغذ نہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ ایک ایسی تحریر تھی۔ جسپر رزیڈنسی حیدر آباد اور فارن آفس سے لیکر وزیر ہند تک کا خیال رجوع ہوا۔ مگر نواب محسن الملک بہادر نے بڑی جبارت سے اس پمفلٹ کا جواب دیا۔ اور نظام گورنمنٹ کی طرف سے سر لیپل گریفن کے ایک ایک اعتراض کی تردید کی۔ نواب محسن الملک کی یہ تردید نہ صرف ہندوستان کے انگریزی اخبارون بلکہ انگلستان کے معزز اخبارون مین چھاپی گئی۔ اور نیز پمفلٹ کی صورت مین شائع ہوئی۔ جس نے انگریزی خیالات سے اُس اثر کو دور کیا۔ اور پھر سر لیپل گریفن نے بھی اُس لاجواب جواب کو دیکھکر قلم نہیں اٹھایا۔ اور نہ کسی انگریزی اخبار نے نواب محسن الملک کی تحریر کے خلاف کچھ لکھا۔ اگر نواب محسن الملک کی یہ تحریر نہ شائع ہوتی۔ تو ممکن تھا کہ سر لیپل گریفن کا وہ پمفلٹ دفتر رزیڈنسی حیدر آباد اور فارن آفس میں رہکر نظام گورنمنٹ کی سرگرانی کا باعث ہوتا

نواب محسن الملک کی ذمہ داریان

نواب محسن الملک کو اپنے عہد ملازمت مین چار قسم کے کام پیش آئے۔ ایک وہ جو بلاواسطہ اعلیحضرت نظام خلد اللہ ملکہ سے منسوب ہین۔ دوسرے وہ جو نظام گورنمنٹ پر اثر ڈالتے ہین۔ تیسرے وہ جو نظام اسٹیٹ کے ملازمون اور عہدہ دارون پر مؤثر ہوتے ہین۔ چوتھے وہ جنکا اثر نظام کی رعایا پر پڑتا ہے۔ ان چارون قسموں کو نواب محسن الملک نے اپنے اپنے مقام پر نہایت اعلےٰ درجہ کے مدبرانہ اصول کا پابند رکھا۔ چنانچہ امر اول کی نسبت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ رزیڈنٹ حیدر آباد نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ وہ حضور نظام کے کامون کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ چونکہ اسوقت میں اعلیحضرت کی پیشی سے معمولی کام نہ ہوتے تھے اسلیے بعض

طبائع کو حیرانی ہوئی کہ رزیڈنٹ کی اس خواہش کا کیا جواب دیا جائیگا ۔ لیکن نواب محسن الملک سنے الفور آمادہ ہوئے ۔ اور جواب دیا کہ صاحب رزیڈنٹ بہادر جہان مناسب سمجھین تشریف لائین مین اعلیحضرت بندگانعالی کے کامون کا ملاحظہ کراونگا چنانچہ چو محلہ مبارک پر صاحب رزیڈنٹ نے اپنے آنے کا وقت مقرر کیا ۔ ادہر سے نواب محسن الملک نے نہایت اعلےٰ درجہ کی مجلد کتابین میزون پر چنوادین ۔ جب صاحب رزیڈنٹ تشریف لائے تو اُن سے ظاہر کیا کہ یہ سب کتابین اعلیحضرت کے فرامین سے بہری ہوئی ہین ۔ اور واقعی اُن کتابون مین حضور پرنور کی طرف سے لکھے ہوئے معتمدین کے رقعے پرچے یا چوبدارون کے لیجائے ہوئے زبانی احکام درج تھے ۔ جو وزیر یا دفتر پولیٹیکل و فنانس کے نام جاری ہوئے ۔ اور نواب محسن الملک نے انکو نہایت تعظیم و ادب سے مجلد کرا کر زیب دفتر کیا تھا ۔ انکو دکھلا کر صاحب رزیڈنٹ پر ظاہر کیا کہ ان کتابوں کے ایک ایک پرچہ سے اعلیحضرت کی بیدار مغزی اور شاہانہ کارفرمائی کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے ۔ صاحب رزیڈنٹ ان جلدونکو دیکھکر متعجب ہوئے ۔ اعلیحضرت نے محسن الملک کی اس کارروائی پر اپنی خوشنودی ظاہر فرمائی ۔ کاش نواب محسن الملک کو ایسا موقع ملتا ۔ جیسا کہ آجکل اعلیحضرت بنفس نفیس امور جہانداری کو ملاحظہ فرماتے ہیں ۔ تو اس میں کچھ شک نہیں کہ محسن الملک کی بعض بلند خیالیان جو وزیرون کے سبب سے دل کی دل اور دماغ کی دماغ مین بند رہین وہ اعلیحضرت کے سامنے ظاہر ہوتین ۔ اور اعلیحضرت بندگانعالی مدظلہ العالی کو پورے طور سے محسن الملک کی لاثانی قابلیت کا حال معلوم ہوتا بعد پنشن لینے کے بھی نواب محسن الملک کو جب کوئی موقع اعلیحضرت کی بلند نامی کا ملجاتا تھا ۔ تو وہ اسکو نہ صرف اپنا ذریعہ فخر و مباہات سمجھتے تھے بلکہ وہ خیال کرتے تھے اپنے آقائے نعمت کا ایک فرض ادا کر رہے ہین جیسا کہ محمڈن اینگلو اورینٹیل ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاسون مین بعض شکر و سپاس کی تقریرون سے ظاہر ہوتا ہے ۔ یا حضور پرنور اور پرنس آف ویلس اور ہز مجسٹی امیر کابل کی تشریف آوری

مدرسۃ العلوم اور قبول دعوت کے موقع پر ان شاہی مہمانون کا نظام میوزیم مین ٹھیرانا اور اعلیٰ حضرت کی قد آدم تصویر نمایان کرنا و دیگر علیٰ ہذا القیاس۔

دوسری قسم کا کام جو نظام گورنمنٹ پر اثر ڈالتا اسکی نسبت ہمیشہ ایک خاص غور و مشورت سے کام لیا اور جو بات حال یا آئندہ کے لئے نظام گورنمنٹ کو نقصان پہنچانے والی معلوم ہوئی اسکی نسبت حکمت یونانیہ کے اعلیٰ اصول کا برتاؤ کیا۔ یعنی جیسے حکمت یونانیہ کا اصول ہے کہ نسخہ مین کوئی دوا ایسی نہ رکھی جائے۔ جو مریض کو نقصان کرنے والی ہے۔ اور اگر ضرورت خاص سے رکھی جائے تو اسکا مصلح تجویز کر لیا جائے اسی اصول کی محسن الملک نے پابندی کی۔ یہی سبب ہے کہ محسن الملک کے زمانہ کارگزاری تک نظام گورنمنٹ ہر قسم کی ذمہ داری و خدشات سے جو بعد کو پیش آئے محفوظ رہی۔

تیسرے امر کے متعلق نواب محسن الملک نے کبھی کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے عام ملازم بددل اور ناراض ہوئے ہون یا ان پر اُس کام کا ناگوار اثر پڑتا ہو۔

چوتھے امر کے متعلق محسن الملک نے ہمیشہ رعایا کی آسودگی اور رفاہ عام پر انہین مجربہ اصول کی پابندی کی ہے۔ جو گورنمنٹ انگریزی کے ممالک ملحقہ مین برتے جاتے ہین۔ اور جو ہمیشہ بادشاہ کی نیکنامی اور تعریف اور گورنمنٹ کے حسن انتظام کا ذریعہ ہو سکتے ہین۔ اور اسی سلئے حیدر آباد کی رعایا بھی نواب محسن الملک کے کامون کی معترف پائی جاتی ہے۔ قصہ مختصر چھ کروڑ کی آمدنی اور ایک کروڑ دس لاکھ کی آبادی کے ملک کا اس حسن خوبی اور عام تعریف سے کام کرنا اور پولٹیکل خدمات کو اس دورِ اندیشی و خیر خواہی سے انجام دینا نواب محسن الملک پر ختم ہوگیا۔ اور نواب محسن الملک کے بعد وہ درجہ کسی ملکی یا غیر ملکی کے حصہ مین نہین آیا۔

نواب محسن الملک بہادر کی آمدنی

نظام گورنمنٹ نے اپنے مشہور آفاق معتمد نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خانصاحب کو آٹھ سو روپے ماہوار کی پنشن عطا فرمائی تھی اضافہ معمولیہ

ان کی کوٹھی کا کرایہ آتا تھا۔ جس سے وہ اپنی بلند نامی کی عزتون کو سادے رہتے اور پچھ کروڑ مسلمانون کی رہنمائی اور انکی تعلیم و ترقی کا بہت بڑا کام کرتے رہتے تھے نواب صاحب نے اپنا تمام اندوختہ اور آمدنی کے تمام ذرائع عین حیات ہی اپنی بی بی نور جہان مہدی بیگم کے نام منتقل کردیئے تھے۔ اوران کا تمام پرائیویٹ خرچ بیگم صاحبہ کی ہی رلئے سے چلوتا تھا۔ اگرچہ اپنے ذرائعہ آمدنی کے لحاظ سے وہ بہت بڑے آدمی نہ تھے مگران کی لاثانی قابلیتون نے اونکو دوسرا سرسید ثابت کیا تھا۔ تمام قوم نے اونکو اپنا اعلےٰ لیڈر تسلیم کرلیا تھا۔ اور گورنمنٹ ان کے کامون کو عزت سے دیکھتی اور اونکی قدر کرتی تھی۔ چند سال مین دس لاکھ روپئے کا سرمایہ جمع کرلینا۔ بورڈرون کی تعداد مین وہ چند ترقی ہوجانا۔ نظام میوزیم اور آسمان منزل وغیرہ عالی شان عمارتون کی تعمیر۔ حضور پرنس اور پرنس آف ویلس اور ہز مجسٹی امیر کابل کی تشریف آوری اور قبول دعوت یہ سب عالی دماغ وروشن خیال محسن الملک کی تدبیرات صائبہ ہی کے نتائج تھے۔

سرسید اور محسن الملک

اب چونکہ ہم نواب محسن الدولہ محسن الملک منیر نواز جنگ مولوی سید مہدی علی خان بہادر کی زندگی کے اس زمانہ پر پہنچگئے ہین۔ کہ وہ سرکار نظام سے پنشن لیکر چلے آئے ہیں۔ اوراب ہمہ تن قومی خدمات مین منہمک ہونگے۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتاہے کہ قبل اس کے کہ ہم ان کی قومی خدمات کا کچھ ذکر کرین ان کے اور سرسید غفرلہٗ کے تعلقات بھی اپنے ناظرین کے ذہن نشین کردین۔ کیونکہ محسن الملک کی عظمت اسی برگزیدہ ذات کے فیضان صحبت کا نتیجہ تھی۔ جس نے بہت سے گم نام ذرّون کو شہرت کے نصف النہار پر آفتاب عالمتاب بناکر چمکادیا۔

[سرسید اور مولوی سید مہدی علیخان بہادر کی پہلی ملاقات علیگڈھ ہی مین ہوئی تھی۔ انہون نے ایک موقع پر سرسید کا ذکر خیر کرتے وقت کہا تھا۔ کہ میری

ان سے دسر سید سے) پہلی ملاقات ۱۸۶۳ء میں ہوئی تھی"۔ روشناس ہونے سے
پہلے خط وکتابت اور تحریری مذہبی مباحث شروع ہو گئے تھے۔ سرسید نے جب
اپنی کتاب تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علے ملۃ الاسلام (مرتبہ ۱۸۶۲ء)
شایع کی تو مولوی سید مہدی علیخان کو اسکا دیباچہ دیکھکر ایسا جوش آیا کہ باوجود
جان پہچان نہ ہونے کے اسی جوش وخروش میں انہوں نے سرسید کے دیباچہ
مذکور کے برخلاف ایک طول طویل خط لکھکر بھیجا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مولوی سید
مہدی علی اٹاوہ مین کلکٹر تھے۔ اس خط مین انہوں نے سرسید کو عقاید اسلامیہ سے
منحرف بتایا تھا۔ پھر ایک اور زبردست مباحثہ دونوں کے درمیان ہوا۔ اسکے
بعد جب سرسید کے پاس علیگڈہ جانا ہوا اور ان کے مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ
نماز پڑھ رہے ہین۔ دل مین خدشہ تو تھا ہی۔ یہ سمجھے کہ جدہر سرسید نماز پڑھ
رہے ہین۔ یہ قبلہ کا رخ نہیں ہے۔ جب وہ نماز پڑھ چکے تو اپنا شبہ ظاہر
کیا۔ سرسید نے یہ آیت پڑہی۔ "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ"۔ جب اس
پر خوب بحث ہو چکی تو سرسید نے کہا مین نے اس کوٹھی کو ٹھیک قبلہ رخ بنایا
ہے۔ پھر کمپاس لگا کر ان کو اپنے کہنے کا یقین دلایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سرسید
کی سچائی کا نقش ان کے دل مین بیٹھا۔ اسی ملاقات کے دوران مین سرسید نے
مسلمانوں کی ترقی کی نسبت انہین اپنی عظیم الشان اسکیم سنائی جسے سُنکر وہ
سرسید کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ سرسید کی دوستی ورفاقت مین از بہ بگذشت۔ سرسید
کے ساتھ مخالفانہ بلکہ معاندانہ تعلقات کا انہون نے بمقام علیگڈہ اپنی ایک تقریر
کے اندر ان الفاظ مین ذکر کیا ہے۔

صاحبو! مین جب ان دنوں کو یاد کرتا ہوں تو ایک عجیب حالت مجھ پر
طاری ہوتی ہے۔ اور اس زمانہ کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے
صاحبو! مجھ پر دو نون حالتین گذر چکی ہین۔ حضرت (سرسید کی طرف اشارہ ہے
کیونکہ سرسید اسوقت بقید حیات اور جلسہ مین شریک تھے) کی مخالفت اور موافقت

دونون کا مزہ مین چکھ چکا ہون - مجھے دونون فرقون مین شریک رہنے کی عزت حاصل ہے - اول اُس مخالف فرقہ مین جو مذہبی خیال سے آپ کو بُرا جانتا تھا - پھر اُس فرقہ مین جو آپ کے خیالات پر ہنستا تھا - بلکہ اگر مین یہ کہوں کہ دونون فرقون مین میرا ہی نمبر اول تھا - تو شاید مبالغہ نہ ہوگا - حضرت کی تکفیر کا فتویٰ لے سب سے اول آپ ہی کے پریسیڈنٹ نے دیا (اپنی طرف اشارہ ہے - کیونکہ وہی صدر جلسہ تھے) اور انجیل کی تفسیر لکھنے پر سب سے اول آپ ہی کے سیر مجلس نے آپکو چھپا پادری کہا - یہ وہی علیگڈھ ہے - جہان سب سے اول فقیر ہی نے حضرت کو تبیین الکلام کے لکھنے پر ملامت کا ایک بڑا لمبا خط بھیجا - پھر یہی وہ مقام ہے جہان یہ ناداں دین اور دل دونون حضرت کے نذر کر گیا"

رشتہ محبت و وداد قایم ہونے کے بعد مولوی مہدی علی خان نے جس سرگرمی سے سرسید کے مشن کی خدمت کی وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ قیام انگلستان کے زمانہ مین سرسید کو ایک کتاب چھپوانے مین کچھ مالی مشکلات پیش آئین تو سرسید نے انہیں ایک خط مین لکھا تھا - "اب جب تک اور روپیہ قرض نہ لیا جائے تمام متعسر ہے - یہ ترددات ایسے جانکاہ ہیں - کہ بیان نہین ہوسکتا" مولانا حالی نے حیات جاوید مین مولوی سید مہدی علی خان کو سرسید کی ریفارمیشن کی گاڑی کے ہانکنے مین برابر کی جوڑ" قرار دیا ہے - سرسید کو اُن کی تائید سے بہت تقویت ہوتی تھی - اور اسپر وہ فخر کرتے تھے - چنانچہ اپنی نہائت کامیاب کوشش ابطال استرقاق کی نسبت سرسید نے لکھا تھا - کہ "جن مسائل مین ہم اور سید مہدی علی متفق ہین - انہی مین سے ایک یہ ہے کہ اسلام مین رقیت نہین ہے" سرسید جب ولائت سے ہندوستان آنے کو ہوئے تو مولوی مہدی علیخان کو اپنے آنے کی اطلاع دی ہے - اس خط مین سرسید لکھتے ہین "چوتھی یا پانچوین کو الہ آباد پہنچکر آپکے دیدار فرحت آثار سے مشرف ہونگا - اور آپ کے قدمون کو مثل تعلیز بوسہ دونگا - گرچہ آپکے قدم میرے نا پاک لبون سے ناپاک ہوجائینگے - مگر امید

کہ آپ مرمت سے دھولیں گے۔ خنزیر خود ناپاک ہے۔ مگر جس پاک چیز کو وہ مس
کرے دھونے سے پھر پاک ہوجاتی ہے۔ افسوس ہین نے غلطی کی جو اپنے تئین
خنزیر سے تشبیہ دی۔ وہ تو مجھ سے بہت اعلےٰ ہے۔ خدا نے اس کو یاد کیا ہے
مجھے تو سوا ئی مہدی علی کے اور کوئی یاد بھی نہین کرتا" مولانا حالی حیات جاوید
ہین فرماتے ہیں "سید مہدی علی کو ہمیشہ اُن سے ہمیشہ عتاب آمیز خط جاتے تھے۔ چنانچہ
سرسید خود ایک جگہہ لکھتے ہین۔ کہ مہدی کو سوائی غصہ اور خفگی کے کبھی کچھ نہیں
ملا۔" باوجود اس کے سید مہدی علی کا معاملہ ان کے ساتھ شمع و پروانہ کا ساتھا۔

ایک عجیب مگر دلچسپ واقعہ

پہلے مُسلمانون کو انگیریزون سے بڑی رمیدگی تھی۔ ایک میز پر بیٹھکر کھانا کھانا
یا چھری کانٹے کا استعمال ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ سرسید نے اسکے متعلق ایک رسالہ
احکام شرعی کے موافق شائع کیا۔ اور جب سرسید ولائیت جانے لگے۔ تو انہون نے اس خیال
سے کہ انگیریزی طریقہ پر کھانا کھانے سے بخوبی واقفیت ہوجائے قیام بنارس کے زمانہ میں معمول بنایا
تھا کہ مسٹر اسمائیتھ جو بنارس ہین ایک سوداگر تھے۔ اور سرسید کی کوٹھی سے ان کی
کوٹھی ملی ہوئی تھی۔ ایک دن شام کا کھانا یہ ان کے گھر پر جاکر کھاتے تھے اور ایکدن
وہ ان کے گھر پر آکر کھاتے تھے سرسید کہتے تھے۔ کہ

> اتفاق سے انہین دنون ہین مولوی سید مہدی علیخان مرزاپور سے بنارس میں مجھ
> سے ملنے کو آئے۔ رات کا وقت تھا اور میرے یہاں کھانے کی باری تھی۔ ہم
> دونون میز پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ مہدی علی آپہنچے۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ
> مولوی مہدی علی نے ایک مُسلمان کو ایک انگریز کے ساتھ کھانا کھاتے دیکھا تھا
> سخت نفرت ہوئی اور باوجود میرے ہاں مہمان ہونے کے کھانا نہ کھایا اور کہا کہ
> ہین کھا چکا ہوں۔ صبح کو مجھے معلوم ہوا کہ انہون نے اس وجہ سے کھانا نہیں
> کھایا۔ مین نے کہا کہ اگر آپ کو یہ طریقہ ناپسند ہو تو دوسرا بندوبست کیا جائے۔

انہوں نے سوچا کہ شرعاً تو ممنوع نہیں ہے صرف عادت کے خلاف دیکھنے سے نفرت ہوئی ہے آخر قبول کر لیا۔ اور سب سے پہلی دفعہ دن کا کھانا میرے ساتھ میز پر کھایا۔ اور پھر ایک بحث و حجت کے بعد رات کو مسٹر ملا ساپتھ کے ساتھ شریک ہوئے پھر مرزا پور کو واپس چلے گئے یہ حال ایک صاحب نے میرے ایک نامہربان دوست کو اٹاوہ میں لکھ بھیجا انہوں نے تمام شہر میں ڈھنڈورا پیٹ دیا کہ مہدی علی کرسٹان ہو گئے۔ اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ مولوی صاحب کے گھر پر حلال خور نے کمانے سے اور سقے نے پانی بھرنا اور سب نے بندھوں نے آنا جانا چھوڑ دیا۔ تب گھر والوں نے ان کو لکھا کہ تمہاری بدولت ہم پر سخت تکلیف گزر رہی ہے۔ تم جلدی آؤ اور اس تکلیف کو رفع کرو۔ آخر کار مولوی مہدی علیخان صاحب نے انہیں بزرگ کو حلت طعام اہل کتاب کے باب میں ایک طویل خط لکھا اور پھر خود اٹاوہ میں آئے اور سب کو سمجھایا کہ میں کرسٹان نہیں ہوں جیسا پہلے مسلمان تھا۔ ویسا ہی اب ہوں۔ اور بڑی مشکل سے لوگوں کا شبہہ رفع کیا۔

لیکن شیعہ بھائی جو پہلے سے تبدیل مذہب پر جلے بیٹھے تھے۔ اور وہ مولوی صاحب کے سنی ہو جانے سے دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے۔ انہیں ایک شگوفہ ہاتھ آیا۔ اور اس پردہ میں انہوں نے اپنے دل کے خوب خوب بخار نکالے لیکن مولوی مہدی علی خانصاحب کی خداداد ترقیات نے ان باتوں کو دبا دیا۔ اور زمانے کے نئے دور نے سیکڑوں رئیسوں اور شریفوں کو صاحبان انگریز کے ساتھ ہم پیالہ وہم نوالہ دیکھکر اس خیال پر توجہ کرنا چھوڑ دی۔

شادی اور اولاد

نواب محسن الملک کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ پہلی شادی خاندان ہی میں اور غالباً اسی زمانہ میں ہوئی تھی جب کہ وہ اٹاوہ کے تحصیلدار تھے۔ اس قبیلے سے ایک لڑکا بھی ہوا جسکا نام مظہر علی تھا۔ مگر افسوس ہے کہ بیوی اور بچہ دونوں کا انتقال

ہوگیا۔ دوسری شادی اُنھون نے غیر کفو مین حیدر آباد کی ملازمت کے زمانہ مین کی ان بیگم کا نام پہلے نور جہان تھا۔ مگر شادی کے بعد نور جہان مہدی بیگم ہوگیا۔ ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ نواب محسن الملک کو ان سے بہت انس تھا اور اپنا تمام روپیہ وغیرہ انہی کے نام منتقل کر دیا تھا[۹]۔

حلیہ

نواب محسن الملک کا رنگ نہایت سُرخ سپید تھا۔ قد اوسط سے کسی قدر کھچا ہوا تھا۔ جوانی مین وہ اپنی وضع سے بالکل یورپین معلوم ہوتے تھے۔ اعضاء تمام متناسب تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ چمکدار اور فراست مجسم کی علامت۔ مولانا شبلی لکھتے ہین "ظاہری صورت وشان سے بھی خدا نے اُن کو کافی حصّہ دیا تھا۔ اُن کے چہرہ سے شان ٹپکتی تھی۔ اور گو وہ سید تھے۔ لیکن تاتاری اُستخوان کا دھوکا ہوتا تھا۔"

محسن الملک بحیثیت ایک مُصنّف اور مقرّر کے

نواب محسن الملک کو جس طرح کتابون کے مطالعہ کا شوق ہمیشہ سے تھا اسی طرح وہ تصنیف و تالیف کی جانب بھی ابتدا ہی سے مائل تھے۔ سرکاری ملازمت کے زمانہ مین (غالبًا جب وہ اٹاوہ مین تحصیلدار تھے) انھون نے مال و فوجداری کے متعلق نہایت اعلےٰ درجے کے رسالے بزبان اردو تصنیف کئے تھے۔ جب شیعہ سے سُنی ہوئے تو کتاب آیات بیّنات تصنیف کی جس کی دھوم ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے تک مچ گئی۔ سُنا ہے کہ ابتدا مین یہ کتاب جزءً جزءً چھپ کر بطور رسالہ شائع ہوا کرتی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی رسالے اُن کی تصنیف ہین۔ مثلاً تقلید اور عمل بالحدیث (اول اول تہذیب الاخلاق کے ساتھ ۱۸۸۰ء مین نکلا تھا) کتاب المحبۃ والشوق جو امام غزالی رح کی کتاب احیاء العلوم کے باب کتاب المحبۃ سے ماخوذ ہے۔ اور

[۹] ان کا بھی انتقال بمقام حیدرآباد دکن ۱۰ فروری ۱۹۱۲ء میں ہوگیا۔ سینہ پر پھوڑا ہوگیا تھا جس میں شگاف دیا گیا ...

اس مین جا بجا مثنوی مولانا روم کے اشعار و حکایات اضافہ کرکے کتاب کو نہایت دلچسپ بنا دیا ہے۔ سرسید علیہ الرحمۃ کے انتقال کے بعد محسن الملک نے ان کی تفسیر کو پورا کرنے کا بھی ارادہ کیا تھا۔ اور علیگڈھ کالج کی ایک مبسوط تاریخ لکھنی چاہتے تھے۔ مگر کالج کے کامون سے انہین اتنی فرصت نہ ملی۔ اور ایسے مفید کام کا ارادہ ان کے ساتھ قبر مین دفن ہوگیا۔ اُن کی مضمون نگاری کی ابتدا سرسید کے مذہبی مضامین کے جوابون سے ہوئی تھی۔ اور چونکہ طرز تحریر نہایت پر اثر اور دلنشین اور نفس مضمون نہایت پر مغز ہوتا تھا۔ اس لئے سرسید کے تمام مخالف نگارون مین غالباً سب سے زیادہ عسیر الفتح نواب محسن الملک ہی تھے۔ لیکن جب سرسید نے اپنی غیر معمولی اور مافوق الفہم کشش کے ساتھ انہیں اپنے اندر جذب کرلیا تو نواب محسن الملک نے رہوار قلم کا رُخ پھیر دیا اور سرسید کی حمایت مین وہ مضامین لکھے کہ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلچل مچ گئی۔ اور وہ نیچری بلکہ کرستان کہلانے لگے۔ تہذیب الاخلاق کے چلانے مین نواب محسن الملک کی سرگرمی صرف سرسید سے دوسرے درجہ پر تھی۔ مولانا حالی مدظلہ لکھتے ہیں۔ کہ "زیادہ تر اُس (تہذیب الاخلاق) کے مقبول ہونیکا سبب تھا کہ اس کے مضامین کا جزو اعظم سرسید کی دلنشین تحریرین اور سید مہدی علی خان کے دلنشین آرٹیکل تھے۔ سرسید کی تحریر کی نسبت یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ اُس کے دیکھنے کے بعد آدمی اپنے عقیدہ پر قایم نہیں رہ سکتا۔ سید مہدی علی خان کی تحریرون پر بھی لوگ سر دھنتے تھے"۔ اُن کے مضامین اور لکچر اُن تحریرون میں شمار ہوتے ہیں"۔ جن سے اردو لٹریچر مین ایک معقول اضافہ ہوا ہے"۔ ایک اور موقعہ پر مولانا حالی نے لکھا ہے کہ: ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سید مہدی علی خان قدیم تہذیب الاخلاق مین گویا سرسید کے برابر کے شریک تھے۔ اور اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ جو لٹریری فوائد ان پرچون سے مترتب ہوئے۔ اُن کو صرف سرسید کی تحریرات سے منسوب کیا جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کمیٹی خواستگار تعلیم مسلمانان ہند نے جو انعامی رسالے لکھوائے تھے اُن مین نواب محسن الملک ہی کے رسالے نے اول نمبر کا انعام حاصل کیا تھا۔

وہ جو کچھ لکھتے تھے نہایت معتبر و مستند طرح سے لکھتے تھے۔ تہذیب الاخلاق کے مضامین لکھنے میں۔ باوجودیکہ ان کی صحت ہمیشہ نازک حالت میں رہی۔ وہ اس قدر منہمک ہوگئے تھے۔ کہ سرکاری کاموں میں حرج ہونے لگا تھا سنا ہے کہ ان کے ایک افسر نے سرسید کو لکھا بھی تھا کہ "مہدی علی کو سمجھاؤ وہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہوں۔ ورنہ رپورٹ کرنی پڑے گی" مولانا شبلی نواب محسن الملک کی نسبت لکھتے ہیں "کہ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی مشاہیر کے ہم سر تھے۔ ان کا ایک لٹریچر ہے جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہے۔ قوت تقریر میں بھی وہ نہایت ممتاز تھے" اب ہم ان کی تحریر کے چند نمونے دکھاتے ہیں۔ جن سے ناظرین کو ان کی طرز ادا کے سمجھنے میں آسانی ہوگی:۔

ایجی ٹیشن میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے شریک ہونے کے متعلق وہ لکھتے ہیں:۔

"ایجی ٹیشن جس کو ہم عموماً کیا ہندو اور کیا مسلمان دونوں کے لئے مضر سمجھتے ہیں بالفرض وہ اختیار بھی کیا جائے۔ تو کوئی ہم کو ہاتھ کی انگلیوں کے برابر بھی سارے ہندوستان میں ایسے مسلمانوں کا نام بتلائے جو دادابھائی نوروجی کیسی ہمت رکھتے ہوں یا ان میں سرندرناتھ بنرجی کی طرح تقریر اور تحریر کی قابلیت ہو۔ یا فیروزشاہ مہتہ کی طرح جرأت اور قوت رکھتے ہوں۔ یا ٹاٹا کی طرح تیس لاکھ روپیہ قومی کام میں دینے کا ان میں حوصلہ ہو۔ جب ہم میں نہ ہمت ہے۔ نہ قومی کاموں میں فیاضی۔ نہ قوم کے ساتھ ہمدردی۔ اور نہ سوائے باتیں بنانے اور ہائے واویلا کرنے کے کام کرنا جانتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر ہم ہندوؤں کی تقلید کریں تو ہم کب کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو جانے دو اگر ہم اپنے ملک کے ہندو اور پارسی اور بنگالی بھائیوں کی سی لیاقت اور جرأت پیدا کریں۔ اسوقت ہم بھی اگر ایجی ٹیشن کا نام لیں تو وہ بھی ایک غلطی ہوگی مگر خیر! ہندو بھائیوں کی طرح اپنے کام میں تو ہم ثابت قدم رہیں گے۔ اور برا ہو یا بھلا اپنی کوشش تو جاری رکھیں گے! اور جیسے یہ بھی نہیں کہ

تو پھر ایسے بڑے ارادے کرنے اور قوم کو خطرہ میں ڈالنے سے کیا فائدہ ہے۔
درکفر ہم کامل نہ زنار را رسوا مکن۔"

رسالہ "تقلید اور عمل بالحدیث" میں (ایک فرضی غیر مقلد کی زبانی) لکھتے ہیں:-

"سنو ہم تو اسی روز سے آپکے کفر کے فتوے کے منتظر ہیں۔ جب سے ہم نے قرآن و حدیث کو اپنا متمسک بنایا اور زید و عمرو کو چھوڑا اور پابندی رسم کی ترک کی حضرت خدا کے نزدیک کافر ہونا چاہیئے وہ اگر ہمارے کفر کا فتویٰ دے تو البتہ ہمکو نقصان ہے ورنہ اگر دنیا کے سارے بندے ہمکو کافر کہیں اور خدا کے ساتھ ہمارا معاملہ راست راست ہو اور اسکے پیچھے اور اسکے رسول کے پیچھے ہم کافر بنائے جاویں تو اس کفر پر ہمارے ہزار ایمان قربان اور ہزار اسلام تصدق ہیں اور بڑے بڑے امام اور اچھے اچھے ولی اور نامی نامی محقق ہمارے اس کفر کے شریک ہیں اور یہ آپ کا فرمانا کہ اگر ہم ایسا نہ کریں تو دین برباد ہو جائے موجب صد ہزار حیرت ہو کہ حدیث پر عمل کرنے میں دین کی بربادی کیا ہو گی اگر آپکے نزدیک حدیث پر عمل کرنے سے دین برباد ہوگا تو وہ دین جسکا مدار سوائے قرآن و حدیث کے اور کسی پر ہو اسکا برباد ہی ہونا بہتر۔"

تعلیم کو قومی عزت کا ذریعہ قرار دیکر وہ لکھتے ہیں:-

"ہم نے مانا کہ ہم مسلمانوں کو اب علوم و فنون کے ایجاد کرنے کی قوت اور کیمبرج اور اکسفورڈ یونیورسٹی کے موافق علوم کے مدرسے جاری کرنے کی قدرت باقی نہیں رہی بلکہ کسی ادنے درجہ کی تعلیم کے واسطے بھی ابتدائی مدارس کے مقرر کرنے کی ہمت نہیں ہے لیکن وہ کون سی چیز ہے جو سرکاری کالجوں اور گورنمنٹ اسکولوں میں جانے کے لئے مسلمانوں کے لڑکوں کے پاؤں کی زنجیر ہے اور وہ کون سی بات ہے جو ان کو اس ابتدائی تعلیم کے حاصل کرنے کی مانع ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ سب کے سب آنکھ پر پردہ غفلت کا ڈالے ہوئے اور سونٹھ پر خاموشی کی مہر لگائے بیٹھے ہیں۔ نہ کسی کے دل میں تعلیم کے موانع کا خیال آتا ہے نہ کوئی زبان اپنی اس علمی تنزلات کے اسباب بیان کرنے کے لئے کھولتا ہے سب کے سب چپ چاپ خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"عزت" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جسکا آخری پیرا ہے۔

پھر اگر ہماری قوم نے سوچ سمجھ کر کچھ رسمیں جاری کی ہوتیں ان کی بُرائی بھلائی تحقیق
کر کے ان پر عامل ہوئی ہوتی تو بھی کچھ کہنا ان کا لائق لحاظ کے ہوتا۔ پر افسوس ہے کہ
وحشیانہ تمدن اور عامیانہ چلن نے جاری ہونے سے پہلے اس کا لحاظ نہ کرایا اور اب
نادانی اور جہالت نے تحقیق سے منع کر دیا لیکن جو لوگ اب اس کی تنقیح پر متوجہ ہیں اور جن کو
ہماری قوم نہایت ہی ذلت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ امید ہے کہ اپنی محنت کا ثمرہ پاویں
اور ان کی سچی عزت اُن کے مخالفوں کے دل میں ایسی سما جاوے جیسے کہ روشنی ایک
تاریک گھر میں جبکہ اس کا بند دروازہ توڑ دیا جاوے۔"

اپنے کسی عزیز کو ایک خط لکھا ہے جس کا یہ شروع کا حصہ پڑھنے کے لائق ہے:-
"خط تمہارا آیا۔ حال معلوم ہوا میری کیفیت کیا پوچھتے ہو۔ عیان را چہ بیان۔

یک سینہ و صد ہزار شعلہ　　یک دیدہ و صد ہزار باران

تم نے پوچھا ہے کہ تہذیب الاخلاق میں مضمون لکھنا کیوں ترک کیا۔ کیا سید صاحب
سے مخالفت کی یا کفر کے فتووں سے ڈر گئے۔ عزیز من نہ میں سید صاحب سے مخالف ہوا
نہ کفر کے فتوون سے ڈرا۔ بلکہ میرے سکوت کا اصلی سبب تم کو معلوم ہے کہ قطع نظر جوانی
صدموں کے کئی مہینے سے ایسا بیمار رہا ہوں کہ لکھنا پڑھنا دشوار ہے۔ روزمرہ کا کام بھی
بمشکل دوسروں کی مدد سے کرتا ہوں۔

عزیز من۔ سید صاحب سے مخالفت کا زمانہ گذر گیا۔ اب اس خیال کو جانے دو کہ پھر
وہ زمانہ آویگا۔ اتانا احمد واحمد انا۔ نحن روحان حللنا بدنا۔

کفر کے فتوون کا ڈر عامیوں کو ہوگا جن کا ایمان برادری کے حقہ پانی پر ہے۔
نہ ان مردوں کو جو اسلام کی حقیقت ان کفر کے فتوے دینے والوں سے بھی اچھی جانتے ہوں۔
وہ تو ان بادی کاغذوں پر جو کبھی مشرق سے مغرب کو اور کبھی مغرب سے مشرق کو اڑتے پھرتے
ہیں آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور پرِ مگس کے برابر بھی اسکی وقعت نہیں سمجھتے اُن کے
نزدیک خدا نے اپنی جنت و دوزخ ان کفر کے فتوے دینے والوں کو ہبہ نہیں کر دی کہ جس کو
چاہیں وہ جنت میں بھیج دیں جسے چاہیں کافر بنا کر دوزخ میں ڈال دیں۔"

اگرچہ ایسا بہت کم بلکہ شاذ ہی ہوتا ہے کہ کسی ذات واحد میں تحریر و تقریر کی قابلیت یکسان جمع ہو۔ مگر سرسید علیہ الرحمۃ کی طرح نواب محسن الملک بھی تقریر و تحریر دونون کے بڑے دھنی تھے۔ اپنے زور تقریر سے مجلس کو گرما دینا یا نرما دینا ان کے گویا اختیار مین تھا۔ ان کی تقریر مین چھچھوراپن نام کو نہ ہوتا تھا۔ اس مین ظرافت ہوتی تھی مگر نہ ایسی جو سامعین کو گران گذرے۔ محسن الملک کی کامیابی کے اسباب مین ان کی فصاحت و بلاغت اور قوت تقریر کو شریک غالب بتایا جاتا ہے۔ چند اقتباسات ان کی تقریر کے بھی ملاحظہ کر لیجیے۔

ڈپٹی کلکٹری مرزاپور کے زمانہ مین وہان کے ہائی اسکول مین عربی کے فارغ التحصیل طلبہ کو سالانہ تقسیم انعام کے جلسہ کے موقع پر یون مخاطب کرتے ہیں۔ یہ ان کی تقریر کا بالکل ابتدائی نمونہ ہے۔

اے میرے ہم قوم اور ہم مذہب طالب علمون! تم میری باتون کو غور سے سنو اور انصاف اور عقلمندی سے اسے سوچو کہ مین تمہاری بھلائی کے لئے کیا کہتا ہون۔

اگرچہ میں نہایت خوش ہون کہ تم اپنے قدیم علوم کی تعلیم پر متوجہ ہو اور ایک نہایت دل پر اثر کرنے والے شوق سے اسکی تحصیل کرتے ہو اور تم مین سے چند طلبہ نے کامیابی بھی پائی اور فضیلت کے خطاب پا لینے سے اپنی عزت حاصل کی۔ مگر حقیقت مین یہ تعلیم ناکافی ہے۔ اور جو نتیجہ علم کا ہے۔ وہ اس سے حاصل نہیں کیونکہ تم نے دو قسم کے علم حاصل کئے۔ ایک منقول دوسرے معقول۔ پہلی تعلیم نے تمکو تقلید مین کامل کیا۔ دوسری نے چند غلط اور بے اصل اوہام کو معقولات صحیحہ کی صورت مین تمہارے دل پر نقش کیا۔ نہ اس سے جیسا کہ چاہیے تمہارے دین کو فائدہ ہوا۔ نہ اس مین تمہاری عقل کو ترقی ہوئی مذہبی تعلیم سے غرض صرف یہ ہے کہ وہ باتین جو خدا نے اپنے سچے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معرفت بذریعہ وحی کے بتائیں اسکی روشنی ہمارے دل پر پڑے اور ہم انکی حقیقت سے واقف ہون اور انکی حقیقت اور سچائی ہمارے دل پر اپنا ایسا اثر کرے کہ تقلیداً بلکہ تحقیقاً ہم ان کو تسلیم کریں۔ مگر جو تعلیم تم نے پائی اس نے یہ فائدہ نہیں پہنچایا۔ نہ تم اسکی حقیقت سے

واقف ہوئے نہ بے واسطہ اس نور کی شعاعیں تمہارے دل پر پہنچیں۔ تمہاری مذہبی تحقیقات ان لوگوں کے قولوں پر ختم ہوگئی۔ جو مثل تمہارے غیر معصوم تھے اور جن کی رائے میں تمہاری طرح خطا وصواب دونوں کا احتمال تھا۔ افسوس کہ تم نے اصل چشمہ سے پانی نہیں پیا جو نہایت شیریں اور صاف اور موتی کی طرح چمکتا ہے۔ بلکہ اس حوض کو اصل چشمہ خیال کیا جو بسبب لضلاع کی طرح گندہ ہو رہا ہے۔ تم نے اپنے دینی عقاید اور مذہبی اقوال کو خدا کی کتاب سے خود تحقیق نہ کیا بلکہ لوگوں کی رایوں اور قولوں اور خیالوں ہی پر اپنے معتقدات کی بنیاد قایم کی۔ تم نے اپنے فقہی مسایل اور شرعی احکام کو سچی باتوں سے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خود دریافت نہیں کیا بلکہ جو لوگ لکھ گئے اور کہہ گئے اسی کو منزل من اللہ سمجھا اور پھر افسوس یہ ہے کہ اگر تم جاہل رہتے اور کچھ تعلیم نہ پاتے تو تم اس کورانہ تقلید میں پڑنے سے معذور ہوتے۔ مگر افسوس اور ہزار افسوس اسپر ہے۔ کہ تعلیم نے تمکو یہ نتیجہ دکھلایا۔ اور علم کے حاصل کرنے سے بجائے تحقیق کے تم نے تقلید کو حق جانا۔

یہ تم نہ خیال کرو کہ معاذ اللہ میں مذہبی تعلیم کو برا جانتا ہوں۔ میں کافر ہوں اگر ایسا خیال کروں۔ بلکہ میں ہر مسلمان پر فرض سمجھتا ہوں کہ وہ مذہبی تعلیم پاوے اور اپنے دینیات میں کامل واقفیت حاصل کرے لیکن اگر میں متاسف ہوں تو صرف اسکی طرز وطریق پر کیونکہ جو تقلیدی تعلیم تم حاصل کرتے ہو یہ حقایق دینی کے ادراک کے لئے اور مسایل شرعی کی حقیقت پر پہنچنے کیلئے ناکافی ہے بلکہ مزاحم ہے۔ انصاف کرو کہ کیا حاصل ہے تمکو تعلیم سے جبکہ تمہارے خیالات میں بلندی اور تمہاری عقل میں ترقی نہ ہوئی اور تمہارے دل نے اصل مذہب کی روشنی نہ پائی۔ اور کیا فرق ہوا درمیان ان عامیوں کے جو تمہاری تقلید کرتے ہیں۔ اور درمیان تم عالموں فاضلوں کے جو اوروں کے پیچھے چلتے ہو۔ پس اس تعلیم سے جس سے تم کورانہ تقلید میں مبتلا ہوئے تمہارے مذہب کو کیا فائدہ ہوا"

۲۲ر اکتوبر ۱۸۷۳ء کو مرزا پور انسٹیٹیوٹ میں مسلمانوں کی تہذیب پر

ایک بسیط لکچر دیا ہے۔ اور مسلمانوں کی گذشتہ موجودہ اور آئندہ تہذیب کے
متعلق اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ اس لکچر میں مسلمانوں کے موجودہ انحطاط
کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"چوتھا سبب جو خاص ہندوستان کے بدنصیب مسلمانوں کے تنزلات کا سبب
ہوا ہندوستان کا وطن کر لینا اور اپنے اصلی وطن کا چھوڑ بیٹھنا ہے۔ مسلمان جبکہ
ہندوستان میں آئے اس وقت نہایت تنومند اور سرخ و سفید اور قوی و تندرست تھے
طبیعتیں بھی ان کی آزاد تھیں۔ دلوں میں بھی ان کے ایک جوش تھا۔ رسوم کی
پابندی سے ان کو خبر نہ تھی۔ مگر جب ہندوستان کو اپنا وطن بنا لیا اور ان قوموں سے
مل گئے۔ جو کہ ان سے قوت میں دلیری میں آزادی میں علم میں۔ معاشرت میں کم
تھیں۔ اور چھوت اور پرہیز اور رسموں کی پابندی اور تنگ خیالات ان کے رگ و ریشہ
میں سما رہے تھے۔ تو رفتہ رفتہ وہ بھی ایسے ہی ہو گئے۔ ان کی اصلی حالتیں بالکل
بدل گئیں۔ وہ خون جو ابراہیم کی رگوں کا ہم میں تھا۔ بدل گیا۔ وہ ہڈی جو اسمٰعیل
کے خون سے بنی تھی بدل گئی۔ وہ دل جس میں ہاشمی جوش تھا بدل گیا۔ غرضکہ چہرہ
بدل گیا۔ رنگ بدل گیا۔ صورت بدل گیا۔ سیرت بدل گئی۔ دل بدل گیا۔
خیال بدل گیا۔ یہاں تک کہ مذہب بھی بدل گیا تمام وہ جوش جو اٹھے تھے اس
ریتیلے جنگل عرب سے جس نے فارس اور تمام سنٹرل ایشیا کو سرسبز و شاداب کر دیا تھا
ہندوستان میں آکر بے آف بنگال میں ڈوب گئے"۔

دسمبر ۱۸۹۳ء کی کانفرنس منعقدہ علیگڈھ کے نواب محسن الملک پریسیڈنٹ تھے
ذیل کی عبارت ان کے پریسیڈنشل ایڈریس کا بالکل پہلا پیرا ہے:۔

"بزرگان قوم و برادران۔ جو عزت اسوقت آپ نے اس معزز اور قومی جلسے کے صدر
انجمن ہونے کی مجھے بخشی ہے۔ وہ ایک ایسی عزت ہے کہ ہر ایک نامور مسلمان اس پر فخر
کر سکتا ہے مجھ سا ناچیز آدمی جس قدر اس پر فخر کرے اور آپکا شکریہ ادا کرے وہ کم اور
درحقیقت بہت کم ہے۔ مگر جبکہ میں ایک طرف اس معزز خدمت کے مشکل فرائض

کو دیکھتا ہوں - اور دوسری طرف اپنی ناقابلیت کو - تو چاہتا ہوں - کہ اس بیچارے موذن کی طرح جسے نمازیوں نے زبردستی نماز پڑھانے کے لئے آگے کر دیا تھا - اور وہ نمازیوں کو سجدہ میں چھوڑ کر سجدے سے چل دیا - میں بھی موقع پا کر نکل جاؤں - لیکن چونکہ موقع کے ملنے کی مجھے امید نہیں ہے - اسلئے بُرا ہوں یا بھلا آپ کے سامنے حاضر ہوں اور بہ تعمیل آپکے حکم کے اس کرسی پر بیٹھتا ہوں - اگر میں اپنی اس معزز خدمت کے فرایض ادا کرنے میں قاصر ہوں تو مجھے امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے"۔

یہ عبارت جو درحقیقت ظرافت کی پوٹ ہے ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو پھیکی معلوم ہو - لیکن جن لوگوں نے اسے نواب محسن الملک کے خاص انداز بیان کے ساتھ اس جلسہ میں سنا ہوگا - اس کا لطف وہی کچھ خوب جان سکتے ہیں -

مجلس کا رنگ بگڑتا دیکھکر اُسے سنبھال لینا اُن کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی - جن لوگوں نے لکھنؤ اور (دربار کے موقع کی) دہلی کانفرنس میں شرکت کی ہو وہ متفق اللفظ ہیں کہ بعض تقریروں پر حاضرین کی برہمی کا دفعیہ اور داب جلسہ کا قایم رکھنا محسن الملک کے سوا کسی اور سے ممکن نہ تھا - ۱۸۹۳ء کے اجلاس کانفرنس میں جس کے وہ پریسیڈنٹ تھے - "عربی زبان دانی کے رواج" کا رزولیوشن پیش تھا - اور بڑی شد و مد سے بحث ہو رہی تھی - سرسید علیہ الرحمۃ بگڑ گئے - اور نہایت غصہ سے کہا کہ جب عمل کچھ نہیں ہے تو دین دین پکارنے سے اور مذہبی جوش ظاہر کرنے سے کیا فائدہ ہے - عربی زبان کی طرفداری ایسی ہے کہ منہ سے کہی جاتی ہے لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ اُس نے کیا عمل کیا" چونکہ سرسید کی اس تقریر سے سخت غلط فہمی پیدا ہونے اور آگ پر تیل پڑنے اور اس طرح کانفرنس کی ہر دلعزیزی کو نقصان پہنچنے کا خوف تھا - نواب محسن الملک نے بحیثیت پریسیڈنٹ کھڑے ہو کر ایک نہایت لطیف تقریر کی جسکا یہ ایک ٹکڑا ہے :-

صاحبو! اگر سرسید کے سوائے کوئی دوسرا آدمی ایسی گفتگو کرتا تو میں بحیثیت صدر انجمن ہونے کے اوسے خاموش کرتا یا اُس کے جواب میں کچھ کہتا - مگر چونکہ سرسید اسکے کہنے والے تھے - اسلئے میں نے کچھ نہیں کہا - ان کا کہنا ویسا ہی ہے - جیسا کہ

بزرگ کا اپنے چھوٹوں کی نصیحت کے لئے ہوتا ہے۔ اور ان کا خفا ہونا ایسا ہے جیسا کسی استاد کا اپنے شاگردوں پر ہوا کرتا ہے۔ صاحبو۔ میں نے سُنا ہے کہ بنارس میں کسی راجہ کے یہاں ایک تصویر ہے جسمیں نواب شجاع الدولہ اس خاندان کے بزرگ کو اپنے ہاتھ سے کوڑا مار رہے ہیں۔ کسی نے اس تصویر کو دیکھکر راجہ سے کہا کہ ایسی بی عزتی کی تصویر تم نے کیوں اپنے گھر میں لگا رکھی ہے۔ اس نے کہا کہ اس عزت کے ثبوت میں کہ ہمارے دادا نواب رس تھے۔ بالکل ایسی ہی شال آپ کو یورپ میں ملیگی۔ لوئی چہارم بادشاہ فرانس نے اپنے ایک درباری کے خود لاتین مارین تھین۔ وہ اسپر تمام عمر فخر کیا کرتا تھا۔ اور اسنے اپنے دیوان خانہ میں ایک تصویر اسی واقعہ کی آویزان کرائی تھی۔ یہی حال ہمارے سید اور مولوی شمس الدین صاحب کا ہے۔ کہ اگر کہیں سید کی چھڑی انپر پڑ جاتی اور اس بوڑھے باپ کی محبت کی مار کا وہ مزہ چکھ لیتے تو تمام عمر اسے یاد کرتے اور خوش ہوتے"۔

ذیل کی عبارت اس تقریر کا ایک ٹکڑا ہے جو نواب محسن الملک نے ۲۵ جون ۱۸۹۸ء کو بمقام لاہور سر سید مرحوم کی یادگار قایم کرنے کے متعلق کی تھی"۔

"بزرگان ملت! جس شخص کی یادگار قائم کرنے کے لئے آج ہم جمع ہوئے ہیں وہ منجملہ ان مخصوص اور ممتاز لوگوں کے تھا۔ جن کو خدائے تعالےٰ کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا کرتا ہے۔ سر سید احمد خان کو خدا نے ہم مسلمانوں میں ایک خاص قسم کی قومی ہمدردی اور قومی ریفارم اور اصلاح کی قابلیت دی تھی۔ وہ نہ عالم فاضل تھے نہ پروفیسر یا ڈاکٹر مگر اس بات کا ثبوت تھے کہ جس شخص کو فطرت سے دماغ صحیح اور ذہن سلیم اور کسی قسم کی خاص قوت عطا ہوئی ہو۔ دنیا کو اس کے طبع زاد خدا داد اور خود رو خیالات کس قدر فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کے غدر میں مرحوم نے جس قومی خیر خواہی کے ارگن کو کا دم واپسین تک اُسکی آواز منقطع نہ ہوئی۔ اور ایک سے ایک بڑھ کر نغمہ ولکش اُس سے نکلتا چلا گیا طوالت ہوگی اگر وہ کام جو اپنے ہم وطنوں اور ہم قوموں کی بہبودی کے لئے انہوں نے

کئے ہیں۔ بالاستیعاب بیان کئے جاویں۔ مگر سب میں بڑا اور بہت بڑا احسان جو
انہوں نے قوم پر کیا۔ ملک پر کیا سرکار پر کیا۔ اسپر کیا جواب موجود ہیں۔ اور اسپر کیا
جو آگے کو پیدا ہونگے۔ وہ علیگڈھ کالج کا جاری کرنا تھا۔ اور اس سے ان کا مقصد
تھا اپنی ایک علیحدہ خود مختار مسلمانی یونیورسٹی قائم کرنا ۔ اور یہی وہ آرزو تھی۔
جس کی کوشش میں انہوں نے اپنی زندگی تمام کردی اور اس آرزو کا پورا کرنا ہم پر
چھوڑ گئے۔ اے زندہ دلان پنجاب! سرسید جنکی یہ آرزو تھی کہ محمڈن یونیورسٹی
بنائیں۔ وہ تو دنیا سے چل بسے۔ مگر تم زندہ ہو اور زندہ دلی کا طغرا تمہاری پیشانیوں پر
اس مبارک ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ اگر درحقیقت تم زندہ دل ہو۔ اور مجھے یقین
ہے کہ تم ہو تو آؤ اور فضول رونا چھوڑو مرثیئے اور نوحے بند کرو۔ تعزیت کی مجلسوں
پر فاتحہ پڑھو۔ بلکہ اپنی محبت کا عملی ثبوت دکھاؤ۔ اور اپنے محبوب اور مقتدی کے
ناتمام کام کے پورا کرنے کی کوشش کرو۔ وہ زندگی میں اپنے لئے نذر و نیاز کا طالب ہوا
نہ اپنی ذات کے واسطے حیلۃً یا صراحۃً تم سے کسی چیز کا خواہاں ہوا۔ بلکہ خود اپنا مال
تم پر قربان کیا۔ یہانتک کہ نہ اپنے مرنے کے لئے ایک جھونپڑا نہ اپنے کفن کیلئے
ایک گز کپڑا۔ مرنے کے بعد بھی اس کی یہ تمنا نہ تھی۔ کہ اس کی یادگار میں مقبرہ
بنایا جائے یا اس کی قبر پر لنگر جاری ہو۔ یا اس کے نام کی کوئی خانقاہ بنائی جائے
بلکہ یہی آرزو تھی کہ مرنے کے بعد بھی جو کام تمہاری بھلائی کا اس نے شروع کیا تھا
وہ پورا ہو اور قومی ترقی کے وسائل یعنی تعلیم و تربیت کے سامان پورے پورے
جمع کئے جائیں۔ یعنی محمڈن کالج محمڈن یونیورسٹی کے درجہ پر پہنچ جائے۔ تم یہ نہ سمجھو
کہ اگر تم نے یادگار قایم نہ کی۔ تو ان کی یاد دنیا کے دل سے جاتی رہیگی۔ بلکہ یقین کرو کہ
جیسا جیسا زمانہ گذرتا جائیگا۔ ان کی یاد اور تازہ ہوتی جائے گی۔ ہاں تمہاری
ناقدردانی۔ احسان فراموشی۔ بے خبری اور غفلت کی یادگار ہمیشہ قایم رہیگی۔ اور
زمانہ افسوس کے ساتھ کہیگا۔ کہ دنیا میں ایک ایسی ناشکرگذار اور غافل قوم بھی ہے
جو نہ اپنے محسن کے احسانوں کو یاد رکھتی ہے نہ اپنے نفع و ضرر کو پہنچانتی ہے۔

حیدرآباد سے پنشن پاکر وطن آنے کا زمانہ

جب نواب محسن الملک بہادر حیدرآباد سے پنشن لیکر اٹاوہ میں تشریف لائے تو سرسید نے خط پر خط اور تار پر تار بھیجکر انکو علیگڈھ میں یاد کیا۔ اور اپنے ضعف کیحالت بیان کرکے کالج مع کانفرنس کے اندرونی حالات سمجھائے اور محسن الملک کو ابھارا کہ یہ وقت پنشن لیکر آرام کرنے کا نہیں بلکہ قوم کیلئے کام کرنے اور تکلیف اٹھانے کا ہے۔ اور اب یہ کشتی جہاز تمہارے حوالے ہے تم جانو اور تمہارا کام۔

سرسید کی یہ باتیں ایسی نہ تھیں جو محسن الملک کو قرار سے بیٹھنے دیتیں۔ چنانچہ وہ فی الفور تیار ہوئے۔ اور انہوں نے کانفرنس کو کالج کے مدد دینے کا بہترین ذریعہ سمجھکر اسکی ترقی میں جدید کوششیں جاری کیں۔ اور خود بمبئی۔ پونہ۔ دہلی۔ مرادآباد وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں جاکر مسلمانوں کو کانفرنس کی جانب توجہ دلائی اور ہر شہر میں کانفرنس کی ضرورتیں سمجھانے کو کمیٹی مقرر کی۔ اس نئے سیر سے کانفرنس میں ایک نئی روح ترقی کرنے لگی۔ اور کالج کے استحکام میں ایک جدید تمدن کا آغاز ہوا۔

سرسید احمد خان صاحب بہادر کا انتقال

سرسید احمد خان بہادر ایل ایل ڈی۔ کے سی ایس آئی سکرٹری مدرسۃ العلوم علیگڈھ ۲۴ مارچ ۱۸۹۸ء کو احتباس بول سے صاحب فراش ہوئے ۲۶ کی شام سے حالت ردی ہونا شروع ہوئی ۲۷ کو دردسر۔ لرزہ و تپ میں مبتلا ہوئے اور ۲۸ مارچ ۱۸۹۸ء کو رات کی دس بجے کے قریب آنریبل حاجی محمد اسمعیل خانصاحب کی کوٹھی میں وفات پائی۔ نواب محسن الملک بہادر موجود تھے۔ نہایت احترام سے انکا کفن و دفن کیا گیا۔ اون کے بعد اون کے مشہور اور فاضل فرزند آنریبل سید محمود صاحب مرحوم سابق جج ہائیکورٹ الہ آباد سکرٹری کالج قرار پائے۔ مگر سید محمود مرحوم کے خلل دماغ نے انکو کسی کام کا نہ رکھا تھا۔ اس لئے وہ اپنے علم و فضل اور اپنی شہرت

عام شہرت کے موافق کوئی کام انجام نہ دے سکے۔ نواب محسن الملک اکثر امور میں دوسرے کاموں کی اصلاح کے ساتھ اُن کے مزاج کی اصلاح کا بھی خیال رکھتے تھے

کالج کے متعلق نواب محسن الملک کے ابتدائی مساعی

نواب محسن الملک بہادر قومی تعلیم کے مسئلہ میں ابتدا سے سر سید کے ہمخیال تھے چنانچہ جب سر سید بنارس میں سب جج اور مولوی مہدی علیخان مرزاپور میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور سر سید نے اس باب میں تمام قوم سے رائیں طلب کی تھیں تو مولوی مہدی خانصاحب نے ۱۸۷۱ء میں ایک مفصل اور مدلل رسالہ لکھا تھا جو ایکہزار روپیہ کے انعام کے قابل سمجھا گیا لیکن انہوں نے وہ انعام نہیں لیا اور وہ روپیہ مصارف کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان ہندوستان" کے لئے چھوڑ دیا۔ سر سید نے یہ سب مقالات رویداد کمیٹی خزینۃ العلوم لتاسیس مدرسۃ العلوم میں درج کئے ہیں۔ جو اس خیال کے متعلق سب سے پہلی کتاب ہے۔ اسکے بعد مولوی سید مہدی علیخانصاحب بہادر حیدرآباد کو تشریف لیگئے وہاں سے دامے درمے قلمے قدمے ہر طرح کی مدد اس کام میں سر سید احمد خان بہادر کو دیتے رہے۔

نواب سر سالار جنگ بہادر نے "بارہ" ہزار روپیہ سال نظام گورنمنٹ کیطرف سے مدرسۃ العلوم علیگڈھ کے لئے مقرر فرمایا جس سے اسکی ابتدائی حالتوں میں بہت بڑی مدد ملی۔ پھر سر آسمانجاہ بہادر کے عہد وزارت میں بارہ ہزار روپئے کا اور اضافہ ہوا جملہ چوبیس ہزار روپیہ سال مقرر ہوئے۔ اور سر سید دو مرتبہ حیدرآباد تشریف لیگئے دوسری مرتبہ کے جانے میں علاوہ گورنمنٹ کے ستر۔ اسی ہزار روپیہ پرائیویٹ چندوں سے حاصل ہوا۔ ان سب اعانتوں میں نواب محسن الملک بہادر کی تدبیرات اور کوششوں کو خاص دخل ہے جس کے لئے نواب محسن الملک کا شکریہ کثیر التعداد چھوٹے چھوٹے موقعوں کے علاوہ بارہا کانفرنس کے جلسوں میں ادا کیا گیا ہے۔ اور قوم کی تعلیم اور کالج کی تعمیر میں نواب محسن الملک بہادر سر سید کے

دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ کالج میں مہدی منزل ابتدائی تعمیر کی یادگار ہے۔ آپ
صاحب نے ہزاروں کی رقمیں مختلف چندوں میں دی ہیں۔ اگر ابتداً
سے سرسید کے زمانہ حیات تک کالج کی تاریخ اور کالج کے دفتر اور تہذیب الاخلاق
اور انسٹیٹیوٹ گزٹ کے سالانہ فائلوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہر کام میں
نواب محسن الملک بہادر نے کیسی قابل قدر مدد دی ہے۔ آخر میں جب سرسید فرط
ضعف سے بہت تھوڑا کام کرتے تھے۔ اور کالج مشہو غبن اور دوسرے غیر معمولی
مصارف سے ستر۔ اسی ہزار روپے کے قرض میں آگیا تھا۔ نواب محسن الملک بہادر
نے یہ کام کیا کہ جب حیدرآباد سے علاحدہ ہوئے تو علیگڈہ میں اقامت فرمائی۔
اور جو کام رُک رہے تھے۔ اونکو چلتا کیا۔ اور کالج کی زیرباری کو دور کرنے کی تدبیر
شروع کیں۔ کئی شہروں میں اپنی ذات سے تشریف لے گئے اور کانفرنس میں ایک نئی
جان ڈالنے کے لئے جابجا جلسے کئے جس سے ٹرسٹیز کے دلوں میں جو سرسید
کے ضعف اور کالج کی زیرباری سے مایوس ہو رہے تھے نئی طاقت پیدا ہوئی۔

علیگڈھ کالج کی سکرٹری شپ

چونکہ سکرٹری شپ کے لئے نواب محسن الملک کے انتخاب کو چند پچھلے واقعات سے تعلق ہے
اس لئے سرسری طور پر اُن کا ذکر کیا جاتا ہے۔ سرسید علیہ الرحمۃ کی جن لوگوں نے علیگڈہ
کالج قایم کرنے میں فراخ حوصلگی سے امداد کی تھی۔ اس میں سرسید کے قریبی رشتہ دار
اور عزیز دوست مولوی سمیع اللہ خان بہادر سی ایم جی کا بہت بڑا حصہ تھا۔ اور سرسید
انکو اپنا قوت بازو سمجھتے تھے۔ اور اُن سے کالج اور بورڈنگ کے انتظام اور نگرانی
میں بے انتہا تقویت پہنچتی تھی۔ مگر بدقسمتی سے ایسے اسباب جمع ہو گئے تھے
کہ کالج کے یورپین اسٹاف کے ممبر مولوی صاحب ممدوح کی طرف سے کھٹک گئے تھے
اور ان کو یقین تھا۔ کہ اگر سرسید نے اپنی زندگی میں آیندہ کے لئے سکرٹری شپ
کا انتظام نہ کیا تو اُن کے بعد ضرور مولوی سمیع اللہ خان سکرٹری ہونگے۔ پس انہوں نے

ے اپریل ۱۹۰۸ء میں انتقال کیا ۱۲

اور نیز بعض اور یورپین افسروں نے سرسید کو صلاح دی کہ سید محمود کو جائنٹ سکرٹری مقرر کر دیں۔ تاکہ یورپین اسٹاف کا سرسید کے آیندہ جانشین کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہو جائے۔ اگرچہ سرسید کو یقین تھا کہ سید محمود کے جائنٹ سکرٹری مقرر کرنے سے لوگوں کے دل میں طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا ہونگی۔ اور ایسی بدگمانیوں کی وہ سو سو کوس بھاگتے تھے۔ اور سید محمود بھی جائنٹ سکرٹری یا سکرٹری بننے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر چونکہ یورپین اسٹاف کو اس بات پر سخت اصرار تھا اور ان کو کالج کی آیندہ حالت کی نسبت مطمئن کرنا ضرور تھا۔ اسی وجہ سے سرسید کو ۱۸۸۹ء کے ٹرسٹی بل میں ایک خاص دفعہ سید محمود کے جائنٹ سکرٹری مقرر کرنے کے لئے داخل کرنی اور سید محمود کو بہ جبر اس پر راضی کرنا پڑا۔ اسی وجہ سے مولوی سمیع اللہ خان بہادر اور ان کی پارٹی سخت برہم ہوئی اور کالج سے قطع تعلق کر لیا۔ مگر سید محمود خلل دماغ کی وجہ سے سرسید کی زندگی ہی میں قوم کے جسم سیاسی کے لئے عضو معطل ہو چکے تھے۔ اور بحیثیت جائنٹ سکرٹری اپنے کار منصبی کو بالکل انجام نہ دے سکتے تھے۔ [اسی لئے ٹرسٹیوں کو اسسٹنٹ جائنٹ سکرٹری کا ایک نیا عہدہ قایم کرنے کی ضرورت پڑی اور نواب محمد مزمل اللہ خان رئیس بھیکن پور خان بہادر آنریری مجسٹریٹ درجہ اول و فیلو الہ آباد یونیورسٹی) اسسٹنٹ جائنٹ سکرٹری منتخب ہوئے۔ جو توقع کے عین مطابق اپنے فرائض کو نہایت قابلیت سے ادا کر رہے ہیں۔ اور اب بجائے "اسسٹنٹ جائنٹ" کے جائنٹ سکرٹری ہیں۔]

جب سرسید کا انتقال ہوا تو ٹرسٹیوں کی نگاہیں نواب محسن الملک کی طرف اٹھیں۔ لیکن وقت یہ تھی کہ سید محمود اب لائف (دوامی) سکرٹری تھے۔ ان کا ہٹانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ دوسری طرف مولوی سمیع اللہ خان بہادر کی پارٹی نے جس کے سب سے سرگرم اور لائق ممبر خواجہ محمد یوسف مرحوم وکیل علی گڑھ تھے۔ مولوی صاحب موصوف کے حقوق و دعاوی پیش کرنے شروع کئے اور ہز آنر لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی (حال صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ) کی کوشش سے

فائدہ اٹھانے کے لیئے نواب محسن الملک ہر ایک تعریف کے مستحق ہیں بالکل یقینی بات ہے کہ اگر اس تحریک کی جو سرسید کی وفات سے پیدا ہوئی تھی۔ ایک مناسب راستہ کی جانب رہبری نہ کی جاتی تو وہ چند ہی روز میں سرد پڑ جاتی جو لوگ نواب محسن الملک کی کامیابیوں کا سبب صرف اس تحریک کو بتاتے ہیں۔ اور نواب محسن الملک کی کوششوں کو خفیف کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اسکی مثال بعینہ ایسی ہی ہے کہ قبل اسکے کہ بھاپ کی طاقت سے کام لیا جائے پانی اسی طرح ابلتا اور ابل کر بھاپ دیتا تھا اور بھاپ میں قوت بھی اتنی ہی تھی جتنی اب ہے مگر آرک رائٹ سے پہلے اسکو استعمال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اس موقع پر یہ ظاہر نہ کرنا نہایت ناشکری ہوگی کہ اس اڑے وقت پر گورنمنٹ نے مسلمانوں کی بڑی دستگیری کی۔ سرسید میموریل فنڈ کا پہلا اجلاس علیگڈھ میں ہز آنر لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ کی صدارت میں ہوا۔ اور ہز اکسیلنسی وائیسرائے کی سرپرستی اور نقد عطیہ نے گویا اس میں جان ڈالدی۔ اور مسٹر بیک آن جہانی پرنسپل کالج اور ان کے جانشین آنریبل مسٹر تھیوڈور ماریسن کی کوششیں بھی مسلمانوں کی جانب سے کچھ کم شکرگذاری کی مستحق نہیں ہیں۔

صیغۂ تعمیرات

سرسید علیہ الرحمۃ جس طرح تمام کاموں کو اعلےٰ پیمانہ ہی سے شروع کیا کرتے تھے اسی طرح انہوں نے ابتدا ہی سے کالج کی عظیم الشان عمارتوں کی داغ بیل بھی ایک وسیع رقبہ اراضی پر ڈالی تھی۔ اور بہت سی شاندار عمارتیں جو اسوقت کالج میں خدا کے فضل سے نظر آتی ہیں اور جن کی قسمت میں اپنے رفیع المنزلت بانی کا مقبرہ بن چکنے کے بعد مکمل ہونا لکھا تھا۔ ان کی بنیادیں سرسید نے کھدوا کر بھروا دی تھیں۔ کالج کمیٹی کے سرگرم ممبر جو کالج کے کاروبار سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔ ان میں بہت ہی کم ایسے تھے۔ جو ابتدا ہی سے کالج کی عمارتوں

فائدہ اٹھانے کے لئے نواب محسن الملک ہر ایک تعریف کے مستحق ہیں۔ لیکن یہ بھی بات ہے کہ اگر اس تحریک کی جو سرسید کی وفات سے پیدا ہوئی تھی۔ ایک مناسب راستہ کی جانب رہبری نہ کی جاتی تو وہ چند ہی روز میں سرد پڑ جاتی جو لوگ نواب محسن الملک کی کامیابیوں کا سبب صرف اس تحریک کو بتاتے ہیں۔ اور نواب محسن الملک کی کوششوں کو خفیف کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اسکی مثال بعینہ ایسی ہی ہے کہ قبل اسکے کہ بھاپ کی طاقت سے کام لیا جائے پانی اسی طرح ابلتا اور ابل کر بھاپ دیتا تھا اور بھاپ میں قوت بھی اتنی ہی تھی جتنی اب ہے مگر آرک رائٹ سے پہلے اسکو استعمال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اس موقع پر یہ ظاہر نہ کرنا نہایت ناشکری ہوگی کہ اس بڑے وقت پر گورنمنٹ نے مسلمانوں کی بڑی دستگیری کی۔ سرسید میموریل فنڈ کا پہلا اجلاس علیگڈھ میں ہز آنر لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ کی صدارت میں ہوا۔ اور ہز اکسیلنسی وائسرائے کی سرپرستی اور نقد عطیہ نے گویا اس میں جان ڈالدی۔ اور مسٹر بیک آن جہانی پرنسپل کالج اور ان کے جانشین آنریبل مسٹر تھیوڈور ماریسن کی کوششیں بھی مسلمانوں کی جانب سے کچھ کم شکر گذاری کی مستحق نہیں ہیں۔

صیغۂ تعمیرات

سرسید علیہ الرحمۃ جسطرح تمام کاموں کو اعلےٰ پیمانہ ہی سے شروع کیا کرتے تھے اسی طرح انہوں نے ابتدا ہی سے کالج کی عظیم الشان عمارتوں کی داغ بیل بھی ایک وسیع رقبہ اراضی پر ڈالی تھی۔ اور بہت سی شاندار عمارتیں جو اسوقت کالج میں خدا کے فضل سے نظر آتی ہیں اور جن کی قسمت میں اپنے رفیع المنزلت بانی کا مقبرہ بن چکنے کے بعد مکمل ہونا لکھا تھا۔ ان کی بنیادیں سرسید نے کھدوا کر بھروادی تھیں۔ کالج کمیٹی کے سرگرم ممبر جو کالج کے کاروبار سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔ ان میں بہت ہی کم ایسے تھے۔ جو ابتدا ہی سے کالج کی عمارتوں

میں زیادہ روپیہ صرف ہونے کے روادار ہوں۔ کیونکہ شروع میں تعلیم ہی کے اخراجات کے لئے کافی روپیہ بہم پہنچانا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ چہ جائیکہ لاکھوں روپے کی عمارتیں تیار کرائی جائیں۔ مگر سرسید نے کالج کی ترقی بلکہ اسکا قیام و دوام اسی پر منحصر سمجھا تھا۔ کہ جہاں تک ممکن ہو اعلےٰ پیمانہ پر عمارتیں بنائی جائیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ اصلی نتائج علے الاعلان ظاہر ہونے کے لئے جس سے عام لوگوں کو اسکی طرف توجہ ہو ایک مدت دراز درکار ہے۔ اور تعلیم و تربیت کی خوبی سمجھنے والے لاکھوں کروڑوں میں معدودے چند آدمی ہوا کرتے ہیں۔ البتہ عمارات کی شان و شوکت ایک ایسی چیز ہے۔ جسکا اثر فوراً خاص و عام کے دل پر پڑتا ہے۔ سرسید کو کالج کی زیادہ شاندار عمارتیں بنانے کا خیال اس نظر سے بھی ضرور ہونا چاہیئے تھا کہ آئندہ نسلوں کو اپنی قومی انسٹیٹیوشن کا عظیم و شان دیکھکر اس کے قایم رکھنے کا خیال زیادہ ہو۔ لیکن روپیہ اتنا فراہم نہ ہوتا تھا کہ ایکدم تمام عمارات کا سلسلہ پورا ہو جاتا۔ اور اس وجہ سے باوجود سرسید کی طرح طرح کی عجیب و غریب حکمت عملیوں کے سلسلہ عمارات پورا نہ ہوا۔ جن میں سے بعض غیر مکمل عمارتیں بہت بدنما بھی معلوم ہوتی تھیں۔ نواب محسن الملک نے کالج کو قرضہ کے بارے سبکدوش کرتے ہی نا تمام عمارتیں مکمل کرنی شروع کردیں۔ جواب (چشم بد دور) دیکھنے والے کے سامنے ایک دلکش شاندار نظارہ اور عالی شان منظر شاہانہ پیش کرتی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم جدا جدا ضمنی عنوانوں کے تحت میں چند عمارتوں کا تھوڑا تھوڑا ذکر کریں۔

مسجد:- مسجد۔ جو دہلی کی مسجد شاہ جہانی کی طرز کی بنائی گئی ہے۔ اسکے چندہ میں نواب محسن الملک کے عہد میں بھی اتنی گنجایش نہ نکل سکی کہ مکمل ہو جاتی۔ دونوں طرف کے مینار اور گنبد بن چکے ہیں۔ مگر ابھی فرش اور دیگر لوازم ضروریہ کی تکمیل ہنوز دور معلوم ہوتی ہے۔ حیف! حیف!! مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب۔

اسٹریچی ہال کی ملحقہ عمارتیں :- اسٹریچی ہال کے مشرق و مغرب میں ایک طرف کالج کلاسوں اور دوسری طرف مسجد تک اب جو عمارتیں ہیں انمیں سید کے زمانہ کی صرف ایک مہدی منزل تھی۔ اب لٹن لائبریری۔ بیگ منزل۔ حمید منزل۔ برکت علیخان لکچر روم۔ آسمان منزل۔ نظام میوزیم جیسی عالیشان و رفیع البنیان عمارتیں نظر آتی ہیں۔

پکی بارک :- صدر دروازہ کے مغربی جانب پہلے صرف ایک کمرہ بنا ہوا تھا۔ باقی حصہ میں کچی بارک تک کوئی کمرہ نہ تھا۔ اب یہ سلسلہ بالکل پورا ہو گیا ہے۔ اور تجویز ہے کہ ایک خاص تعداد پختہ کمروں کی ہر سال بنائی جائے۔ یہانتک کہ کل کچی بارک پکی بارک میں منتقل ہو جائے۔

میکڈانل بورڈنگ ہاؤس :- یہ خوب صورت بورڈنگ ہاؤس کالج کے رائڈنگ اسکول کے قریب سر انٹنی میکڈانل سابق لفٹننٹ گورنر کے ۲۰ ہزار روپے کے عطیہ سے تعمیر ہوا ہے۔ اس کی عمارت سہ رویہ ہے۔ جانب جنوب کوئی عمارت نہیں صرف آہنی کٹہرا لگا ہوا ہے۔

فیاض بورڈنگ ہاؤس :- یہ بورڈنگ ہاؤس آنریبل نواب سر فیاض علیخان بہادر کے سی آئی ای رئیس پہاسو ضلع بلند شہر وزیر اعظم ریاست جے پور و پریسیڈنٹ بورڈ آف ٹرسٹیز علیگڈھ کالج کی فیاضی کا نتیجہ ہے۔ یہ بورڈنگ ہاؤس سر جیمس ڈگس لاٹوش سابق لفٹننٹ گورنر صوبجات متحدہ کی یادگار میں تعمیر ہوا تھا اور اس لحاظ سے اسکا نام سنگ بنیاد رکھے جانے سے پہلے لاٹوش بورڈنگ ہاؤس رہا۔ لیکن سر جیمس نے سنگ بنیاد رکھتے وقت بجائے لاٹوش بورڈنگ ہاؤس کے اس کا نام فیاض بورڈنگ ہاؤس تجویز کر دیا۔ اس کی لاگت کا تخمینہ ابتداءً ۳۰ ہزار ہوا تھا۔ مگر اختتام تعمیر تک مصارف ۵۰ ہزار تک پہنچ گئے۔ اور یہ زائد رقم

بھی نواب محسن نواب صاحب نے اپنی جیب ہی سے پوری کی۔ یہ بورڈنگ ہاؤس اُ
کیچی بارگ کے قریب اس کی شمالی پشت پر ہے۔ اور عام وضع میں شمل سیکنڈ انل
بورڈنگ ہاؤس کی ہے۔

کرزن ہاسپٹل:- یہ ہسپتال ہز اکسیلنسی لارڈ کرزن سابق وائسرائے وگورنر جنرل ہند کی تشریف آوری کالج کی یادگار
میں کالج کے صدر دروازہ کے سامنے والے قطعہ اراضی پر تقریبا بیس ہزار روپیہ
کی لاگت سے تیار ہوا ہے۔ جس کے لئے ایک ہزار روپیہ خود ہز اکسیلنسی لارڈ
کرزن نے عنایت کیا تھا۔

اس کے علاوہ اور بھی متعدد چھوٹی موٹی ضروری عمارتیں نواب محسن الملک
کے عہد میں کالج کے اندر تعمیر ہوئی ہیں۔ جن پر روپیہ تو اگرچہ ہزاروں صرف ہوا ہے
لیکن ان کا ذکر ایسا ضروری نہیں کہ اسے کوئی مستقل جگہ اس کتاب میں دیجائے۔

انگلش وارڈ

انگلش وارڈ کی تجویز سرسید کے زمانہ ہی میں آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل خان
صاحب رئیس دتاولی نے کی تھی۔ حاجی صاحب اپنے فرزند محمد زبیر خان مرحوم
کی تعلیم و تربیت انگریزی وضع پر کرنی چاہتے تھے۔ اور انہوں نے سرسید کے
سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایک ایسا بورڈنگ ہاؤس قائم ہو جس میں تمام
خواہشمند والدین کے بچے ایک انگریز افسر کی نگرانی میں بالکل انگریزی ڈھنگ
پر رہیں سہیں اور تعلیم و تربیت حاصل کریں۔ مگر بتقضائے الٰہی محمد زبیر خان مرحوم
نے باقاعدہ تعلیم شروع ہونے سے پیشتر ہی عالم طفولیت ہی میں انتقال کیا اور
انگلش وارڈ کی تجویز ٹھہر کر رہ گئی۔ سرسید مغفور نے اپنے آخری زمانہ میں اس
تجویز کو پھر تازہ کرنا چاہا۔ اور انسٹیٹیوٹ گزٹ میں ایک مفصل اسکیم اس کے متعلق
شائع کی۔ اور انگلش وارڈ سرسید کے زمانہ میں قائم ہو گئی تھی۔ مگر صرف معدود

طالب علم اس میں آ بسے تھے۔ اور فیس کی آمدنی سے بمشکل اسکا خرچ چلتا تھا۔ ابتدا میں انگلش وارڈ دیبی پرشاد والی کوٹھی میں تھی۔ جو ایم اے او کالجیئیٹ اسکول کی عمارت کے قریب ہی ہے۔ اور کالج اور کوٹھی کی حدود کے درمیان صرف سڑک حائل ہے۔ لیکن جب سید محمود مرحوم کے انتقال کے بعد اُن کی اہلیہ صاحبہ دہلی چلی گئیں۔ اور سرسید والی کوٹھی خالی ہو گئی تو اُسے کالج نے حاصل کر لیا اور انگلش وارڈ دیبی پرشاد کی کوٹھی سے اس کوٹھی میں منتقل ہو گئی۔ اور دیبی پرشاد والی کوٹھی معمولی بورڈنگ ہاؤس کے طور پر استعمال ہونے لگی۔ انگلش وارڈ میں اعلےٰ درجہ کے رئیسوں اور امیروں کے چالیس لڑکے تعلیم پاتے ہیں۔ ان کی تعلیم اور تربیت بالکل انگلش مذاق کے موافق ہوتی ہے۔ گویا یہ لڑکے انگلستان کے کیمبرج اور آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے کھیل کود کا سامان علیحدہ ہے۔ ان کا کھانا پینا ٹھیک انگلش اصول کے موافق ہے۔ ان کے کمروں کی صفائی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اُن کی تربیت پہلے مسٹر گارڈنر براؤن پروفیسر کالج کے سپرد تھی۔ لڑکوں کے ساتھ وہ بھی انگلش وارڈ ہی میں رہتے تھے۔ مگر اب اسکی سپرنٹنڈنٹی پر ایک انگلش لیڈی مقرر ہے۔ ان بچوں کا علاج معالجہ بالکل ڈاکٹری قواعد سے کیا جاتا ہے۔ غرضکہ انگلش وارڈ کی تعلیم نہایت صحیح انگلش تعلیم کا مکمل نمونہ ہے۔ اور علیگڈھ میں بیٹھکر انگلستان کا فائدہ پہنچا رہی ہے۔ وارڈ میں تعلیم پانے کی فیس پچاس روپیہ ماہوار علاوہ ایک معتدبہ رقم فیس داخلہ کے لیجاتی ہے۔ جو لڑکوں کے سرپرست نہایت خوشی سے ادا کرتے ہیں۔

اردو ناگری کا جھگڑا

سکرٹری ہونے سے چند ہی روز بعد سنہ ۱۹۰۰ء میں نواب محسن الملک کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے انہیں گورنمنٹ کی ناراضی کے خوف سے کالج کی

سکرٹری شپ سے استعفا دینا پڑا۔ اس جھگڑے کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸۶۷ء میں
بنارس کے بعض سربرآوردہ ہندؤں کو یہ خیال پیدا ہوا تھا۔ کہ جہاں تک ممکن ہو تمام
سرکاری دفاتر سے اردو زبان اور فارسی خط کے موقوف کرانے کی کوشش کیجائے
اور بجائے اس کے بھاشا زبان اور دیوناگری حروف ہوں۔ ہندؤوں کی ایک
قومی مجلس میں اس بات کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ جابجا اس کیلئے
کمیٹیاں اور سبھائیں مختلف ناموں سے قایم ہونے لگیں۔ اور صدر کمیٹی الٰہ آباد
میں قایم ہوئی۔ انہی دنوں میں ہز آنر لفٹننٹ گورنر بنگال نے ایک غلط فہمی کی
بنا پر اردو کو ملکی زبان تسلیم نہ کر کے مسلمانوں اور بعض غیر متعصب ہندو اصحاب کے
اصرار کے باوجود بہار میں بہاری زبان اور کیتھی حروف بجائے اردو زبان
اور فارسی حروف کے جاری کر دیئے۔ اس سے اضلاع شمال مغربی (حال صوبجات متحدہ)
کے ہندؤں کا حوصلہ اور زیادہ بڑھا۔ صدر کمیٹی الہ آباد کے سکرٹری اور سرسید
کے درمیان کچھ عرصہ خط و کتابت جاری رہی۔ آخر سرسید نے علانیہ اس تحریک
کی مخالفت شروع کی۔ اور ہندؤوں کی تجویز اس بنا پر نامنظور ہو گئی کہ فارسی خط
اور اردو زبان کی اشاعت بہ نسبت ناگری اور بھاشا کے بہت زیادہ تھی لیکن
ہندو مایوس نہ ہوئے اور انہوں نے ۱۸۸۲ء میں جبکہ سرسید امپیریل لیجسلیٹو کونسل
کے ممبر تھے۔ ایجوکیشن کمیشن میں پھر اردو کی مخالفت شروع کی۔ اب اس کا اثر
پنجاب میں بھی پہنچ گیا۔ اور دونوں صوبوں میں بے شمار سبھائیں قایم ہو گئیں
اور ان کی جانب سے لاتعداد محضر کمیشن میں بھیجے گئے۔ پنجاب میں مسلمانوں کیجانب
سے حمایت اردو کی انجمن قایم ہوئی۔ اور اسکی طرف سے بھی ایجوکیشن میں میموریل
پیش ہوا۔ مگر اس کے متعلق کمیشن نے اپنی کسی رائے کا اظہار نہ کیا۔ اس کے
بعد مارچ ۱۸۹۸ء میں ہز آنر انٹونی میکڈانل لفٹننٹ گورنر ممالک مغربی شمالی و
اودھ کی خدمت میں دونوں صوبوں کے بڑے بڑے معزز اور سربرآوردہ ہندؤں
نے پھر ایک میموریل اسی غرض سے گذرانا۔ سرسید نے بھی اس کی مخالفت میں ایک

مضمون لکھا جو ان کی وفات سے صرف ۹ دن پیشتر یعنی ۱۹ مارچ کے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں شائع ہوا - جب بہار میں بجائے اردو حروف کے کیتھی زبان کے حروف رائج ہوئے تو اس وقت میکڈانل صاحب وہاں کلکٹر و مجسٹریٹ اور اس تبدیلی کے نہایت سرگرم معاون تھے - ۱۸۹۸ء میں تو سر انٹنی نے زبان میں کسی قسم کی تبدیلی تجویز نہیں کی تھی لیکن ہندوؤں کی مسلسل انتھک کوششوں سے عدالتوں میں اردو کے ساتھ ناگری حروف کے استعمال کا رزولیوشن پیش گاہ لفٹنٹ سے پاس ہوگیا - اور اسکے خلاف ہندوستان بھر کے مسلمانوں اور متعدد منصف مزاج ہندو اصحاب کی متفقہ آواز کا سر انٹنی اور لارڈ کرزن پر مطلق اثر نہ پڑا - لکھنؤ میں اردو کی حمایت میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ ہوا تھا - اور نواب محسن الملک نے اس جلسہ میں ایک ایسی زبردست تقریر کی تھی - کہ اس کے اثر کے متعلق خود ہز آنر سر انٹنی میکڈانل نے یہ ریمارک کیا تھا - کہ اس جلسہ میں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا - جو مہدی علی کے رومال کی حرکت پر اپنا گلا کٹا نے دینے کے لئے تیار نہ ہو" گورنمنٹ نے اردو ناگری کے اس جھگڑے کو ایک پولیٹکل مسئلہ قرار دیکر اسمیں علیگڈھ کالج کے سکرٹری اور پرنسپل کی مداخلت بیجا تصور کی (آنریبل مسٹر تھیوڈور ماریسن نے بھی ناگری کی مخالفت میں حصہ لیا تھا -) نواب محسن الملک کو خوف ہوا کہ مبادا میری نسبت گورنمنٹ کی ناراضی سے علیگڈھ کالج کو نقصان پہنچے اور اس خیال سے انہوں نے کالج کی سکرٹری شپ سے استعفا پیش کردیا - کچھ روز تک خان بہادر نواب محمد مزمل اللہ خانصاحب جائنٹ سکرٹری کا کام کرتے رہے - مگر ہز آنر خاص طور پر کالج میں تشریف لائے اور نواب محسن الملک کو مطمئن اور آیندہ کے لئے کچھ ہدایتیں کرکے استعفا ان سے واپس دلا گئے -

نواب محسن الملک اور کانفرنس

آنریبل سرسید احمد خان بہادر نور اللہ مرقدہٗ نے مدرسۃ العلوم علیگڈھ کے باقاعدہ

چل نکلنے کے بعد ۱۸۸۶ء میں مسلمانوں کے عام طبائع کو ایک مرکز پر جمع ہونے اور دوسری قوموں کے مقابلہ میں اپنا فائدہ سوچنے اور اپنی قوم کی تعلیم و تربیت کے قابل قدر اصول مقرر کرنے کو محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس مقرر کی۔ اس کانفرنس کا پہلا اجلاس لکھنؤ میں منشی امتیاز علی خانصاحب کی کوٹھی پر ہوا جس میں نیشنل کانگریس کے خلاف سرسید کا پولیٹیکل لکچر پڑھا گیا۔ یہ بے مثل لکچر دیکھنے اور پڑھنے کے لائق ہے۔ اس لکچر نے مسلمانوں کی تنبیہ ہدایت میں خاص اثر پیدا کیا ہے۔ ازاں بعد قریب قریب کے دوسرے شہروں میں کانفرنس کے سالانہ اجلاس ہوتے رہے۔ انہیں الہ آباد کا جلسہ زیادہ بارونق اور شاندار تھا۔ نواب محسن الملک کا لکچر ترقی اور تنزل اسلام پر بڑی دلچسپی سے سنا گیا۔ مولانا حالی حیات جاوید میں لکھتے ہیں کہ الہ آباد کے جلسہ کانفرنس میں جس ذوق و شوق اور وجد کی حالت میں انہوں نے اپنا لکچر دیتے وقت تمام حاضرین کے سامنے سرسید سے خطاب کیا تھا۔ وہ اکثر لوگوں کو یاد ہوگا۔ خصوصاً اسوقت کا سماں کبھی دل سے فراموش نہ ہوگا۔ جب کہ انہوں نے سرسید سے مخاطب ہو کر یہ اشعار پڑھے تھے۔

دلبران ماہ پیکر دیدہ ام | در جمالت چیز دیگر دیدہ ام
این چہ نورست آنکہ تابان از تو ہست | ہفت کوکب نور افشان از تو ہست
تو مکمل از کمال کیستی | مظہر نور جمال کیستی

۱۸۹۳ء کے اجلاس کانفرنس منعقدہ علیگڈہ اور ۱۸۹۵ء کے اجلاس شاہجہانپور کے وہ پریسیڈنٹ بھی تھے۔ سرسید کے وقت میں کانفرنس کا اثر قریب قریب کے شہروں میں تھا۔ نواب محسن الملک نے اپنی ذاتی وجاہت اور لاثانی روشن دماغی سے اسکے اثر کو پنجاب۔ بنگال۔ رنگون۔ بمبئی۔ مدراس وغیرہ دور دور کے مقامات پر نمایاں کیا۔ اور جن شہروں کو سرسید کے خیالات سے ایک قسم کی بیگانگی تھی وہاں اپنے حسن اخلاق اور وہاں کے باثر لوگوں کے اتفاق سے کانفرنس کے اجلاسوں کی راہ نکالی اور تمام حصہ ملک کے روشن خیال اور باثر لوگ اسمیں شریک ہوئے اور

اوسکو اپنی قومی مجلس خیال کیا۔ بمبئی اور رنگون کے آسودہ حال لوگ جو اپنے شریف
اور غریب بھائیوں کی ہمدردی سے بے نیاز ہورہے تھے اونکو کالج اور کانفرنس
کی جانب متوجہ کیا اور اونکی ہمدردی اور شرکت سے کالج کو غیر متوقع فائدہ پہنچایا۔
ڈیلیگیٹوں اور ممبروں اور وزیٹروں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہونے لگا۔ چنانچہ
لاہور۔ کلکتہ۔ مدراس۔ بمبئی۔ رامپور۔ لکھنؤ۔ دلی۔ علیگڈھ میں ایک سے ایک بڑہکر
اجلاس ہوا۔ سرسید کے وقت میں ممبروں وغیرہ کی معمولی تعداد دوڈھائی سو ہوا کرتی
تھی اسکی جگہ ہزار بارہ سو ڈیلیگیٹ اور ممبر اور وزیٹر شریک کانفرنس ہونے لگے
جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر حصہ ملک میں اپنی قومی ضرورتوں پر توجہ کرنے کی
خواہشیں بڑہتی جاتی ہیں۔ اور اگر نواب محسن الملک کی طرح دوسرے قومی لیڈر بھی
کانفرنس کی آواز اطراف ملک میں پہنچائیں۔ تو شریف خاندانوں کے مربی اور
سرپرست پوری ہمدردی اور توجہ سے اسمیں شریک ہونے کو تیار ہیں۔

سنہ ۱۹۰۵ء کی کانفرنس علیگڈہ سے نواب محسن الملک بہادر نے یہ انتظام کردیا تھا کہ کانفرنس
کے رزولیوشنوں کی نگرانی اور عملی کاموں کی جانچ اور کانفرنس کے متعلق دوسرے
شعبوں کی دیکھ بھال صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب بیرسٹرایٹ لا رئیس اور جناب
آر بی صاحب قادری بیرسٹر کو اوسکے متعلق کام سپرد کردیئے۔ صاحبان موصوف نہایت
قابل قدر طریق سے بتدریج عملی تدبیرات سے کام لے رہے ہیں۔

کانفرنس کے شعبے

سرسید کی حیات ہی میں نواب محسن الملک کو مدت سے اس امر کی شکایت تھی
کہ بجائے دلچسپی اور شوق کے روز بروز کانفرنس کی طرف سے بددلی اور بے توجہی پیدا
ہوتی جاتی ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی خاطر خواہ اشاعت
نہیں ہوتی اور نہ کانفرنس میں کوئی عملی کارروائی ہوتی ہے۔ سنہ ۱۸۹۶ء میں نواب
محسن الملک نے اسکی جانب خاص توجہ کی خود بمبئی پونا دہلی میرٹھ مظفر نگر سہارنپور رام پور

مرادآباد اور بریلی کا دورہ کیا۔ اور کانفرنس کی گذشتہ اجلاسوں کے رزولیوشن سرسید سے لیکر یکجا چھپواکر شائع کیے۔ یہ تدبیر نہایت کارگر ثابت ہوئی۔ اور کانفرنس میں از سر نو جان پڑ گئی۔ کانفرنس کے متعلق نواب محسن الملک مرحوم کی یہ سرگرمی دیکھکر ۱۸۹۵ء میں اودھ پنچ نے ایک کارٹون شائع کیا تھا۔ جس میں کانفرنس کو ایک مردہ جسم دکھایا تھا۔ اور نواب محسن الملک اپنی کوششوں کی برقی قوت سے گویا اس میں جان ڈال رہے تھے۔ عملی کارروائی کرنے کی انہوں نے یہ تدبیر کی کہ کانفرنس کے ایک سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی علیگڈھ میں قایم کی۔ جسکا مقصد یہ تھا۔ کہ وہ اغراض کانفرنس کی تکمیل اور پاس شدہ رزولیوشنوں کی تعمیل کرتی رہے۔ اس کے سکرٹری اور ممبر آنریبل حاجی محمد اسمعیل خان۔ پریسیڈنٹ سرسید وائس پریسیڈنٹ صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب۔ اور جنٹ سکرٹری اور ممبر خود نواب محسن الملک تھے۔ اور پھر اس سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے چار حسب ذیل سکشن د شعبے تھے:۔

(۱) سکشن متعلق تعلیمی مردم شماری مسلمانان۔ اس کے ممبر آنریبل حاجی محمد اسمعیل صاحب اور شیخ عبداللہ بی اے ایل ایل بی اور میر ولایت حسین صاحب بی اے سکنڈ ماسٹر اور مسٹر تھیوڈور بیک پرنسپل کالج ممبر اور سکرٹری تھے۔ اس صیغہ کی غرض یہ تھی۔ کہ دریافت کیا جائے کہ ہندوستان کے کس شہر یا قصبہ یا گاؤں میں کتنے بچے قابل تعلیم ہیں۔ اور ان کی تعلیم کا کیا بندوبست ہے اور کوئی بندوبست نہ ہونے کی صورت میں اس کی کیا وجہ ہے۔ تاکہ ان وجوہ پر غور کرکے اُن کی تعلیم کی راہ نکالی جائے لیکن اس شعبہ کا کام نہیں چلا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بغیر کافی عملہ کے چل بھی نہیں سکتا۔ ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۵ء کی کانفرنس میں اسے پھر زندہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ مگر یہ تحریک جہاں تھی وہیں رہی۔ اب نہ یہ کوئی مستقل صیغہ ہے نہ اسکا کوئی سکرٹری یا ممبر۔

(۲) سکشن متعلق قایم کرنے ماتحت مدارس کے۔ اس سکشن کے ممبر ڈاکٹر ضیاءالدین احمد ایم اے پی ایچ ڈی مولوی بہادر علی ایم اے مرحوم اور میر ولایت حسین

صاحب بی اے اور سکرٹری مسٹر تھیوڈر ماریسن پروفیسر کالج تھے۔ اس صیغہ کی کوشش سے امروہہ اسکول۔ جلالی اسکول۔ مارہرہ اسکول۔ شروانی اسکول اور اٹاوہ ہائی اسکول قایم ہوئے۔ جن میں سے سوائے جلالی اسکول کے سب کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ اس صیغہ کے سکرٹری اب ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب ہیں۔

(۳) سیکشن عام معاملات۔ اسکے ممبر اور سکرٹری وغیرہ وہی اصحاب تھے جو سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے تھے۔ دہلی کانفرنس یعنی سنہ ۱۹۰۲ء میں اسکے سکرٹری نواب محسن الملک ہوئے۔ یہ صیغہ علاحدہ اب قائم نہیں ہے۔

(۴) سیکشن تعلیم نسوان:۔ اسکے ممبر نواب محسن الملک بہادر۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب۔ صاحبزادہ سلطان احمد خانصاحب بیرسٹرایٹ لا۔ آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب۔ اور مولوی بہادر علی صاحب ایم اے اور سکرٹری مولوی سید کرامت حسین صاحب بیرسٹرایٹ لا تھے۔ مولوی سید کرامت حسین صاحب صرف عارضی طور پر تھے۔ پہلے مستقل سکرٹری میرٹھ کانفرنس کے موقع پر مولوی سید ممتاز علی صاحب مالک رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور۔ اور سنہ ۱۸۹۹ء میں اسکے سکرٹری صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب سکرٹری ہوئے۔ مگر یہ صیغہ بھی عالم خواب میں رہا۔ یہانتک کہ سنہ ۱۹۰۲-۳ کی کانفرنس میں رزولیوشن نمبر ۱ کے ذریعہ سے اسے پھر زندہ کیا گیا اور شیخ محمد عبداللہ صاحب بی اے ایل ایل بی اس کے سکرٹری قرار پائے۔ اور اسوقت سے ماشاءاللہ اس صیغہ نے نہایت سرعت کے ساتھ حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی ایک خاص تعداد تعلیم و ترقی نسوان کو ضروری و واجب خیال کرنے لگی ہے۔ خاتون کے نام سے صیغہ کا ایک رسالہ جاری ہے۔ علیگڈھ میں اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء سے ایک زنانہ نارمل اسکول قائم ہو گیا ہے جسمیں تعلیم کے لئے استانیاں تیار کی جاتی ہیں جس کے لئے ہر ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال نے سو روپیہ ماہوار مقرر فرمائے ہیں۔ ہز ہائی نس مرحوم نواب صاحب بھاولپور نے بھی امداد کا وعدہ کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ وہ پورا نہ ہونے پایا تھا کہ نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔

ہز ہائی نس آغاخان نے بھی اس کی امداد کا وعدہ کیا ہے۔ دسمبر ۱۹۰۸ء تک زنانہ نارمل سکول میں ۷۵ لڑکیاں داخل ہو چکی تھیں۔ صیغہ کو بالاوسط ۵ سو روپیہ ماہوار کی آمدنی متفرق چندوں سے ہو جاتی ہے۔ پندرہ ہزار روپے ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال نے زنانہ کورس کی تیاری کے لئے عطا کئے ہیں۔ اور ڈھائی سو روپے ماہوار زنانہ نارمل اسکول کے خرچ کے لئے گورنمنٹ صوبجات متحدہ نے منظور کئے ہیں لکھنؤ کانفرنس یعنی ۱۹۰۶ء سے اجلاس کانفرنس کے موقعہ پر زنانہ دستکاری کی نمائش بھی ہوا کرتی ہے۔ جس کو امید سے بہت زیادہ کامیابی ہوئی ہے۔ اور اس نمائش کی ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال اور رانی صاحبان خاندان ریاست پٹیالہ ہر ہائینس کا ور رانی صاحبہ پٹیالہ ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب بھاونگر کی ۹ سالہ صاحبزادی اور نواب صاحب مانگرول کی دونوں بیگمات اور ہر ہائینس بیگم صاحبہ جنجرہ نے اپنے ہاتھ کی دستکاریوں کے نمونے بھیجکر نمائش کی سرپرستی کی ہے۔ غرضکہ شیخ عبداللہ صاحب بی اے ایل ایل بی سکرٹری صیغہ کی کوشش ہر طرح مشکور ہوئی ہے۔ حضور پرنس آف ویلز کی یادگار تشریف آوری میں زنانہ نارمل اسکول علیگڈہ میں تعلیم پانے والی لڑکیوں کو وظیفے دینے کیلئے ایک فنڈ بھی کھولا گیا ہے۔ جسکی سکرٹری مسز نیاز احمد صاحبہ ہیں۔

کانفرنس کے مذکورہ بالا صیغے تو پہلے سے قایم تھے۔ مگر ۱۹۰۳ء کی دہلی کانفرنس میں ایک خاص رزولیوشن کے ذریعہ سے ان پر دو اور صیغوں کا اضافہ ہوا۔ یعنی صیغہ اصلاح تمدن اور صیغہ ترقی اردو۔ ان کی کیفیت حسب ذیل ہے:-

صیغہ اصلاح تمدن:- اس کے سکرٹری خواجہ غلام الثقلین صاحب بی اے ایل ایل بی قرار پائے۔ خواجہ صاحب نے نہایت سچی اور بے ریا ہمدردی سے اس شعبہ کے ماہولقصود میں غور کر کے قوم کی اصلاح اور بہتری کے لئے عملی پند و نصائح سے کام لیا تھا۔ اور ان کاموں کے متعلق عصر جدید نام ماہوار رسالہ شائع کیا تھا۔ جو کئی برس تک اپنے فرائض نہایت سچی ہمدردی سے پورے کرتا رہا۔ اور خواجہ صاحب کی سچی ہمدردی سے اکثر شریف خاندانوں اور عاقبت اندیش لوگوں میں

اسکا عملی اثر بھی شروع ہوا۔ گویا ایک کام کی تخم ریزی ہوئی اور جیسے تخم ریزی کا قاعدہ ہے کہ کچھ بیج کھیت کی منڈیروں پر جا پڑتے اور ضایع ہو جاتے ہیں او کچھ بیج چڑیاں چک لیتی ہیں۔ او کچھ بیج نامعلوم طور سے اوگتے نہیں۔ اور کچھ زمین کی شوریت یا تری و خشکی سے خراب ہو جاتے ہیں۔ باقی جو بیج اچھی زمین پر باقاعدہ طور سے پڑتے وہ فصلی حالتوں کے حسب حال نشو ونما حاصل کرتے ہیں ویسے ہی عصر جدید کے پند و نصائح اور خواجہ صاحب کے اسپیچ و لکچر کی تخم ریزی نے بھی اپنے نشو ونما کی امید دلائی تھی لیکن افسوس ہے کہ صیغہ کی جانب سے کانفرنس کی لاپروائی سے بدل ہو کر خواجہ صاحب نے صیغہ کی سکرٹری شپ سے ۱۹۰۰ء میں ڈھاکہ کانفرنس کے موقعہ استعفا دیدیا اور انکی سکرٹری شپ کے ساتھ صیغہ بھی ٹوٹ گیا اور عصر جدید خواجہ صاحب کا ذاتی پرچہ ہو گیا۔

صیغہ اصلاح ترقی اردو: — یہ صیغہ ۱۹۰۰ء کی دہلی کانفرنس کے موقعہ ایک خاص رزولیوشن کے ذریعہ سے قایم ہوا تھا۔ اور مولانا شبلی نعمانی اس کے سکرٹری قرار پائے تھے۔ اور سال ڈیڑھ سال تک کامیابی سے چلتا رہا۔ کئی کتابیں بھی ترجمہ ہوئیں۔ مگر سکرٹری صاحب کی علالت اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے اسکا کام بند ہو گیا۔ اور ۱۹۰۵ء کی علیگڈھ کانفرنس میں سکرٹری کا استعفا پیش ہوا اور ان کی بجائے جناب مولوی محمد حبیب الرحمن خانصاحب شروانی رئیس بھیکن پور ضلع علیگڈھ کے سکرٹری ہوئے جنکی فاضلانہ قابلیتیں ظاہر ہیں۔ تقرر سکرٹری کے وقت اسسٹنٹ سکرٹری شپ کے لئے خواجہ غلام الثقلین صاحب بی اے ایل ایل بی نے مولانا سید امجد علی صاحب اشہری مولانا خواجہ غلام الحسنین صاحب اور مولانا ابو الکلام صاحب آزاد کے نام بھی تجویز کئے تھے۔ مگر سخت افسوس ہے کہ اس صیغہ کا نام اب صرف رپورٹوں میں دیکھا جاتا ہے۔ کام دیکھو تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اسمیں کچھ شک نہیں کہ مذہبی اور دنیاوی ضرورتوں اور قومی تعلیم اور مغربی علوم کو اپنی زبان میں سمجھنے کے لئے عام مسلمانوں کو اردو کی اصلاح

ترقی کے لئے دامے درمے قلمے قدمے آمادہ ہونے کی سخت ضرورت ہے۔ اور وہ اسی زبان کی اصلاح و تکمیل سے اپنی تعلیم و تہذیب پر فخر اور مغربی تعلیم کے مفید نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ کام معمولی باتوں سے پورے نہیں ہو سکتے جبتک کہ ان کے پورے ہونے کے لئے روشن خیال اور ذی وجاہت مسلمانوں کی با اثر جماعت بہت بڑی آمادگی اور کوشش متفقہ سے اس کام کو جاری نہ کرے۔ اس صیغہ کے مولانا شبلی صاحب نعمانی جب سکرٹری قرار پائے تھے تو اس سے امید بندہی تھی۔ کہ اردو کی رفتار ترقی پہلے سے زیادہ بڑہ جائے گی مگر مولانا شبلی صاحب کو اس کام کے لئے کافی مہلت نہ ملی اور تین ممبر ایک پریسیڈنٹ ایک سکرٹری جو مقرر ہوئے ان کے مقامات سکونت میں بعد المشرقین کا عالم رہا۔ تاہم پہلے سال جو کام شروع ہوا تھا اس سے امید ہوتی تھی کہ بتدریج اسکی ترقی ہو جائے گی لیکن امید ترقی کی جگہ ہر سال تنزل ہوتا گیا اور اب اسکی ترقی کے آثار محسوس نہیں ہوتے۔ مشتاق طبیعتیں مایوس ہو رہی ہیں۔ اور اس امر کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ ہر ایک خواہ زبان اردو کی دلی خواہش ہے کہ مولانا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی علیگڈہ میں ایک با اثر کمیٹی منعقد فرماکر تمام ضرورتوں پر غور فرمائیں۔ جب تک صدر کمیٹی علیگڈہ اس ضرورت کے مناسب حال اعلے پیمانہ پر کام شروع نہ کرے اور ہر قسم کے کاموں کیلئے فراہمی فنڈ و عطائے معاوضہ کا کافی بندوبست نہ ہو ان برائے نام باتوں سے کام نہیں چل سکتا۔ چند کام جن پر اردو کمیٹی کی توجہ خاص طور پر مبذول ہونا چاہیئے یہ ہیں۔

(۱) اعلے درجہ کی تصانیف کی قدر دانی۔

(۲) قابل قدر تالیفات کی قدر۔

(۳) اعلے تراجم کا قبول کرنا۔

(۴) فنون لطیفہ مثل خوشنویسی و مصوری و نقاشی و موسیقی کی جوہر شناسی

(۵) تمام تصانیف وتراجم وغیرہ کی اشاعت اور انطباع اور فروخت کتب
کا انتظام۔
جبتک کوئی با اثر کمیٹی ان سب کاموں کے لئے تیار نہ ہوگی یہ بیل منڈھے
نہیں چڑھ سکتی۔ اُمید ہے کہ علیگڈھ اس نہایت ضروری کام کو اپنے درجہ اور
وقار اور اپنے مرکز تعلیم ہونے کی عزتوں کا خیال کر کے انجام دینے کے
لئے سرگرمی سے آمادہ ہوگا۔

ڈیوٹی ڈپوٹیشن

ڈیوٹی سوسائیٹی یا انجمن الفرض جو صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے
اپنی طالب علمی علیگڈھ کالج کے زمانہ میں قایم کی تھی۔ وہ سرسید کے زمانہ میں صرف
ایک دوکان بورڈنگ ہاؤس کے اندر تھی۔ یہ دوکان اسٹیشنری اور طلبہ کی
روزمرہ کی صرف ضروریات کی کچھ چیزیں اور قومی کتابیں فروخت کرتی اور
مختلف دوسرے طریقوں سے اسکے ممبر روپیہ جمع کر کے کالج اور طلبہ کی امداد
کرتے تھے۔ جس سے طلبہ کے دلوں میں کالج کے ساتھ ہمدردی اور اس کی امداد
کے لئے عملی کام کرنے کی خودبخود ترغیب وتحریص ہوتی تھی۔ مگر نواب محسن الملک
کے زمانہ میں اسکے ڈپوٹیشن کالج کی بڑی تعطیل کے زمانہ میں ملک کے مختلف حصوں
میں جانے شروع ہوئے۔ جس سے اب کالج کو ایک معتدبہ سالانہ آمدنی ہو جاتی
ہے۔ ایک مرتبہ اولڈ بوائز ڈنر کے موقع پر نواب محسن الملک نے خود فرمایا تھا کہ
"پہلے سال جب میں نے ڈپوٹیشن روانہ کئے ہیں۔ تو مجھے اسقدر کامیابی کی
ہرگز امید نہ تھی"۔ سنہ ١٩٠٢ء میں سرسید کی برسی کے موقعہ پر شیخ عبدالقادر صاحب
بی اے بیرسٹرایٹ لا نے کالج کے اثر کے متعلق خوب ریمارک کیا تھا کہ "جتنا رو..
خود سرسید پنجاب میں آکر زندہ دلوں کے گروہ سے نہ لے جاتے تھے"۔ سنہ ١٩٠٥ء
کے "ڈیوٹی ڈپوٹیشنوں نے ۳۵ ہزار روپیہ جمع کیا تھا کالج کے جن طالبعلموں کی

کارنامے بحیثیت سکرٹری ڈپوٹیشن نہایت کامیاب رہے ہیں ان میں سے تین نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یعنی سید مصطفےٰ حسین صاحب رضوی جنہوں نے ۷۵ ہزار روپیہ جمع کیا۔ سید محمود صاحب نے ۲۵ ہزار اور تصدق احمد خان صاحب شروانی نے ۲۱ ہزار۔ یہ اعداد ۱۹۰۵ء تک کے ہیں۔

عربک اسکالرشپ

عربک اسکالرشپ یا عربک پوسٹ گریجوایٹ ایجوکیشن جو نواب محسن الملک کے عہد کی یادگار ہے۔ اسکی ابتدا اسطرح ہوئی کہ ۱۹۰۳ء میں جب پروفیسر گارڈنر براؤن رعایتی رخصت کے بعد ولایت سے واپس ہوئے تو مصر میں الازہر یونیورسٹی کی سیر کی۔ اور علیگڈھ آتے آتے یہ اسکیم پیش کردی کہ مسلمانوں کو انگریزی کی اعلےٰ تعلیم کے ساتھ عربی کی بھی اعلےٰ تعلیم حاصل کریں۔ اس تجویز کا نام اسکے مجوز کی نسبت سے "براؤن اسکیم" ہوا۔ اور اسکی ہندوستان اور خود کالج کے ہر گوشہ سے سخت مخالفت ہوئی۔ سب سے سرگرم مخالف خود نواب محسن الملک تھے۔ کیونکہ ان کے خیال میں عربی کی جانب متوجہ ہو کر مسلمانوں کی انگریزی کی تعلیم کی جانب سے غافل ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ لیکن آخر سخت بحث مباحثہ اور ردوکد کے بعد یہ اسکیم منظور ہوئی۔ اور عربک پوسٹ گریجویٹ ایجوکیشن کی کلاس کھل گئی۔ تاکہ جو مسلمان طلبا گریجویٹ بننے کے بعد عربی کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں۔ وہ معقول وظیفہ لیکر سلسلہ تعلیم کو جاری رکھ سکیں۔ اس کلاس کے لیے ایک یورپین مستشرق جرمنی سے بلایا گیا ہے۔ اس پروفیسر کے اسسٹنٹ عربی و فارسی کے مشہور ادیب مولوی حمید الدین صاحب بی اے ہیں۔ عربی کلاس کے اخراجات کی بابت گورنمنٹ صوبجات متحدہ نے ایکہزار روپے ماہوار مقرر کیے ہیں۔ اس کلاس کے لیے کافی سرمایہ بہم پہنچانے میں ہمدردان قوم خصوصاً نیاضان اودھ نے بڑی سیرچشمی کا اظہار فرمایا ہے۔

کالج کے معزز مہمان

نواب محسن الملک کی مدت سکرٹری شپ میں کالج کے اندر بہت سے معزز مہمانون کے قدم رنجہ فرمانے سے خود کالج اور کل مسلمانوں کو جو عزت نصیب ہوئی اس پر جہانتک فخر کیا جائے کم ہے۔ ہز آنز لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ کا کالج میں تشریف لے جانا تو ایک بالکل معمولی اور روزمرہ کا معاملہ ہے۔ کیونکہ کالج کا پیٹرن ہونے کی حیثیت سے اُن کا وقتاً فوقتاً کالج کو دیکھنا ضروری ہے۔ لیکن دیگر مشاہیر و معززین کی تشریف آوری نے ان واقعات کو کالج کی تاریخ کا ایک شاندار باب بنا دیا ہے۔ ۱۸۹۹ء میں ہز اکسیلنسی لارڈ کرزن تشریف لے گئے۔ ۱۹۰۵ء میں جنرل سر الیفرڈ گیسلی کمانڈنٹ نار درن کمانڈ کالج میں تشریف لے گئے ہندوستان کے کئی والیان ریاست جیسے ہز ہائینس مہاراجہ صاحب اندور۔ ہز ہائینس نواب صاحب رامپور اور ہز ہائینس نواب مالیر کوٹلہ۔ ہز ہائینس بیگم صاحبہ مرشد آباد گذشتہ آٹھ دس سال کے اندر اپنی رونق افروزی سے کالج کو عزت بخش چکے ہیں۔ کئی ممبران پارلیمنٹ نے بھی خاص طور پر علیگڈھ جا کر کالج کو دیکھا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ قابل فخر اور ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہز رائیل ہائی نسز پرنس و پرنسس آف ویلز اور ہز مجسٹی شاہ افغانستان کی تشریف آوری ہے۔ حضور پرنس و پرنسس آف ویلز نے ۱۸ فروری ۱۹۰۶ء کو کالج کا معائنہ فرمایا۔ اور پانچسو روپے جیب خاص سے کالج فنڈ کو مرحمت فرمائے۔ ہز رائیل ہائی نس نے کالج کے ٹرسٹیون اور دیگر معزز مہمانوں کے ساتھ لنچ بھی تناول فرمایا۔ ۱۶ مارچ ۱۹۰۷ء کو ہز مجسٹی امیر کابل کا ورود ہوا۔ ہز مجسٹی کالج کے تمام انتظامات سے بے حد محفوظ ہوئے۔ اور ۲۰ ہزار روپے نقد اور چھ ہزار روپے سالانہ علی الدوام کالج کو مرحمت فرمائے ہز اکسیلنسی لارڈ منٹو موجودہ والیسرائے و گورنر جنرل ہند اور ہز آنر سر ڈنزل اپٹسن موجودہ لفٹنٹ گورنر پنجاب بھی کالج دیکھنے کا قصد کر چکے ہیں۔

پرنس آف ویلز سائنس اسکول

ہز رائل ہائی نس پرنس آف ویلز کے معائنۂ کالج کو اور قبول دعوت سے قوم کو خالی خولی فخر و افتخار ہی نہیں ہوا۔ بلکہ کالج کے لئے ایک نہایت مفید اور قابل قدر درس گاہ کا اضافہ کیا۔ یعنی چھ لاکھ روپے کے خرچ سے حضور ممدوح کی یادگار میں "پرنس آف ویلس سائینس اسکول" کا قایم ہونا قرار پاگیا۔ اور محسن الملک نے عین وقت پر نہایت عجلت سے چندہ کی کارروائی بھی جاری کر دی۔ اس کام کے خرچ وغیرہ کے لئے چھ لاکھ روپے کا اندازہ کیا گیا ہے اس تفصیل سے کہ دو لاکھ بلڈنگ اور لیبوریٹری کے آلات کے لئے چاہئیں اور چار لاکھ روپے کا کیپٹل جسکی آمدنی سے بارہ سو روپیہ مہینہ حاصل ہو۔ یورپین اور ہندوستانی پروفیسروں کی تنخواہ اور دیگر اخراجات معمولی اوس سے ادا کئے جائیں۔ اسمیں جناب راجہ صاحب محمود آباد اور ہز ہائینس سر آغا خان نے ۲۵ - ۲۵ ہزار روپیہ چندہ دیا ہے۔ سب سے بڑا عطیہ ایک لاکھ دسہزار روپے کا سیٹھ آدم جی پیر بھائی (بمبئی) کا ہے۔ اتنا بڑا عطیہ اس سے پہلے کبھی کالج کو حاصل نہیں ہوا۔ جب نواب محسن الملک بہادر نے سیٹھ آدم جی کے اس عطیہ کی اطلاع دی اور جو تار برقی پیغام موصول ہوا تھا وہ پیش کیا تو حضور پرنس آف ویلس نے اپنی زبان مبارک سے سیٹھ صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ ازاں بعد قریب زمانہ میں دوسرے چندوں سے دو ڈھائی لاکھ روپیہ جمع ہو گیا۔ اور سائینس اسکول کے کشادہ ہونے میں شک و شبہہ باقی نہ رہا۔ امید ہے کہ عنقریب مجوزہ رقم فراہم ہو جائے گی۔ اور بعد چندے قلیل مدرستہ العلوم علیگڈہ میں پرنس آف ویلس سائینس اسکول کی عالیشان عمارت میں مسلمان طالب علم مصروف درس نظر آئیں گے۔

پرشین ڈپوٹیشن

سنہ ۱۹۰۳ء میں کالج کا ایک ڈپوٹیشن ایران گیا۔ تاکہ ایران میں کالج کا اثر پہنچایا اور وہاں کے مسلمانوں کو کالج سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے۔ اس ڈپوٹیشن کے سکرٹری میر ولائیت حسین صاحب بی اے سکنڈ ماسٹر ایم اے او کالجیئٹ اسکول اور ممبر سید جلال الدین حیدر صاحب ایم اے اور سید ابو محمد صاحب بی اے تھے۔ اس ڈپوٹیشن کے ایران میں بڑی آؤ بھگت ہوئی اور ۱۲ طالب علم ڈپوٹیشن کے ہمراہ کالج میں داخل ہونے کے لئے آئے۔ جن میں چند طالب علم شاہی خاندان کے اور باقی امرا و عظمائے کے تھے۔ ان میں کچھ طالب علم ہندوستان کی آب وہوا سے گھبرا کر واپس چلے گئے۔ اور جو کالج میں موجود ہیں۔ اُنپر کالج کی تربیت کا خاطرخواہ اثر ہوا ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۵ء کی علیگڈہ کانفرنس کے موقعہ آغا محمد اسمٰعیل بوشہری طالب علم مدرسۃ العلوم نے اپنی تقریر میں کہا تھا۔ "خدا شاہد است بندہ از وقتیکہ باین ملک آمدم روز بروز جوش قومی من زیادہ ترمی شود بخصوص امروز درین کانفرنس اگر خداوند تعالےٰ نصیب بکند باز دیگر بوطن عزیز بروم۔ اگر از من سوال بکنند چہ یادگار از ہندوستان آوردی خواہم جواب داد سہ چیز۔ اول علم۔ دوم جوش قومی۔ سوم محبت وطنی"۔

اولڈ بوائز ایسوسی ایشن

اولڈ بوائز ایسوسی ایشن یعنی کالج کے پُرانے طلبہ کی ایسوسی ایشن بھی نواب محسن الملک کے زمانہ میں قائم ہوئی۔ اس کے بانی اور پہلے سکرٹری مولوی بہادر علیصاحب ایم اے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد سے صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب اسکے سکرٹری ہیں۔ ہرسال ایسوسی ایشن کی جانب سے اولڈ بوائز ڈنر کالج میں ہوتا ہے۔ ایسوسی ایشن کا بااثر ہونا اس سے ثابت ہے کہ کالج کے ٹرسٹیوں نے یہ قاعدہ مقرر

کر دیا ہے کہ اس ایسوسی ایشن کے کم از کم تین قایم مقام بورڈ آف ٹرسٹیز میں رہا کریں
اسکے ممبر اپنی آمدنی کا ایک فی صدی کالج کو دیتے ہیں۔ یہ فنڈ جسکا نام ون پرسنٹ
(ایک فی صدی) فنڈ ہے اب کالج کو ۵ سو روپے ماہوار سائینس کی پیچر کیلئے دینے
لگا ہے۔ اور اس فنڈ کو یوماً فیوماً ترقی ہے۔ ایسوسی ایشن کی شاخیں بھی ہندوستان
کے مختلف صوبوں میں قائم ہونی تجویز ہو گئی ہیں۔ فی الحال ایسوسی ایشن کی ایک
شاخ لاہور میں موجود ہے جو سنہ ۱۹۰۸ع سے قایم ہے۔ اور اس کے سکرٹری میر
فیض الحسن صاحب بی اے ہیں۔

مذہبی تعلیم

اس کالج میں قومی ضرورتوں کے موافق مذہبی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ جو
مسلمانوں کو ہندوستان کے کسی کالج میں نصیب نہیں۔ اور یہی وہ اعلیٰ خوبی ہے
جس سے مختلف شہروں کے طالب علم پانچ وقت آپس میں مل سکتے ہیں۔ ہم
دیکھتے ہیں کہ جیسے عام مسلمان نماز پڑھتے ہیں لیکن اسکے معنے سے واقف نہیں یا ہزاروں
مسلمان قرآن کی تلاوت کرتے ہیں لیکن اسکے معنے سے بیخبر ہیں اس سے انکو اسلام
کی روحانی حلاوت کا فیض نہیں پہنچتا اور وہ حقائق ربانی سے فایدہ نہیں اٹھا سکتے
وہی حال مذہبی تعلیم کا ہے کہ عام علما اپنے تلامذہ کو معقولات و منقولات کا سبق
دیتے صدرا شمس بازغہ۔ حریری۔ حماسہ۔ اور فقہ و حدیث سب کچھ پڑھاتے
ہیں۔ لیکن اس تعلیم سے شاگردوں کے دماغ روشن نہیں ہوتے۔ نہ اونمیں استخراج
مسائل کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ اور نہ وہ اون علوم کی طاقتوں سے اخلاق تمدن
کا دوسری قوموں سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔

اسی وجہ سے ہمارا قومی درس اور نصاب تعلیم مردہ ہوتا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ
ہماری قوم کو مذہبی امور سے اتنی غفلت اور بے پروائی ہوتی جاتی ہے۔ کہ خانگی طور
سے اسکی نسبت کوئی خاص التفات نہیں۔ اور اس زمانہ کی آزادیوں نے نئی پود کے

حلقوں میں مذہب کی عظمت اور اسکے اوامر ونواہی کی جگہ خود رائی اور مذہب کیطرف سے بے پروائی کو جگہ دیدی ہے۔ با این ہمہ اس کالج میں اگر ایک حد تک مذہب کی پابندی کیجاتی اور مذہبی تعلیم دیجاتی ہے۔ تو کچھ کم قابل قدر نہیں۔

اس زمانہ میں مغربی علوم اور فلسفۂ جدید جب تمام مذاہب کیلئے آفت ثابت ہو رہے ہیں تو اسلام کے لئے کیونکر باعث برکت ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں مسلمانوں کو سخت مشکلات کا سامنا ہے۔ اور جبتک ان سے مقابلہ کرنے کو ہمارے پاس فلسفۂ جدید اسلام کے فولادی ہتھیار نہ ہوں اور ہمارا مذہبی نصاب تعلیم مذہب اور فلسفہ دونو حیثیت سے مکمل نہ ہو جائے ہم خالی باتوں سے کام نہیں نکال سکتے۔ اور نہ ہمارے پرانے درس سے نئی روشنیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اسی قومی ریفارمروں نے بغیر قومی یونیورسٹی کے ان مشکلات کا آسان ہونا دشوار خیال کیا۔ اور آنریبل سید یونیورسٹی کے خیال کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ان کے بعد نواب محسن الملک کو اسکی دُھن لگی۔ خدا وہ دن لائے کہ مشرقی علوم مغربی علوم کے ساتھ دوش بدوش نظر آئیں اور فلسفہ اسلام فلسفۂ مغرب کی بات بات کا جواب دینے کو پورے طور سے تیار ہو سکے فی الحال اس کالج میں مذہب کی معمولی تعلیم اور نماز روزہ کا معمولی چرچا اور طالب علموں کا اپنے آپ کو مسلمان سمجھنا اور اسلام کو بطور عقیدہ سب مذہبوں سے اچھا جاننا یہی غنیمت ہے۔ اور نواب محسن الملک حتے الامکان اُسکی جانب خاص توجہ کا اظہار فرماتے رہے۔ چنانچہ ہر سال لکھنؤ۔ دیوبند۔ رامپور۔ ٹونک۔ لاہور وغیرہ سے عالم آتے اور مدرسۃ العلوم کے طالب علموں کی مذہبی تعلیم کا امتحان لیتے اور اون کے طرز عمل کو دیکھتے اور ہر امر کی منسبت اپنی رائیں لکھ جاتے ہیں۔ اور کبھی کبھی جب کوئی نامور صوفی اور عالم پہنچ جاتا ہے تو اسکا وعظ بھی طالب علموں کو سنوایا جاتا ہے اور خود نواب محسن الملک بہادر احکام اسلام کیموافق طالب علموں کو درستی اخلاق کی ہدایت کرتے اور اکثر اُنمیں بطور وعظ کے سلسلہ رہتے تھے۔

کالج کے ایک گوشہ میں عالیشان مسجد ہے جہاں سنی اور شیعہ طالب علم علیٰحدہ علیٰحدہ

اپنی نماز ادا کرتے ہیں اور ان کو دیکھنے سے اس کالج کی قومی خصوصیت کا اظہار ہوتا
ہے۔ دینیات کی کمیٹیاں بھی سنی اور شیعہ مسلمانوں کی علیحدہ قائم ہیں جن کی تجویز سے
مذہبی کورس مرتب ہوتے ہیں۔ دینیات کا درس طلبہ کو بالاستقلال دیا جاتا ہے
اور دینیات میں امتحان بھی ہوتا ہے۔

سفر رنگون

نواب محسن الملک بہادر نے نزدیک و دور کے مسلمانوں کو مغربی علوم کے فائدوں
سے آگاہ کرنے اور مدرسۃ العلوم کی تائید و تکمیل کے لیئے باوصف ضعف پیرانہ سالی
۱۹۰۵ء میں رنگون جیسے دور مقام کا سفر گوارا کیا جہاں کے سچے سیدھے مسلمان
اس زمانہ کی ضرورتوں سے پورے طور پر آگاہ نہیں اور وہ خرچ کرنے کو تو ہزاروں
روپئے سال خرچ کر ڈالتے ہیں لیکن اس سے کوئی خاص غرض پوری نہیں ہوتی اسلئے اور
حاجتمند قوم کو انکی فیاضیوں سے حصّہ نہیں ملتا اسلئے نواب محسن الملک بہادر اپنی
ذات سے وہاں جانے پر آمادہ ہوئے۔ اور چونکہ اس موقع و مقام کے مناسب حال
بعض مذہبی خیال کے ارکان کا ہونا ضرور تھا اسلئے اس زمانہ کے مشہور واعظ حضرت
شاہ سلیمان صاحب پھلواری اور مولوی محمد بشیر الدین صاحب مینجر اسلامیہ ہائی اسکول
اٹاوہ کو جو مدرسے کے پرجوش حامی ہیں۔ اپنی رفاقت میں ساتھ لیا۔ اور پنجاب کے قومی
مصلحت سنج مولوی عبدالسلام صاحب (رفیقی) پہلے سے وہاں موجود تھے۔ نواب
محسن الملک نے رنگون پہنچکر عام مسلمانوں کے تسخیر قلوب کے لئے وہ پراثر اسپیچیں دیں
اور قومی ہمدردی کے وعظ کر اپنی معجز نما تقریریں اسطرح سے ادا کیا کہ بڑے بڑے
دولتمند اور پرانی وضع کے رسم و رواج اور مذہب سے تعلق رکھنے والوں کے دل ہل گئے
ان سچے اسلام نے انکو اور اپنی قوم کی ہمدردی کے لئے آمادہ کرلیا۔ اور نواب
محسن الملک بہادر غیر متوقع طور سے ۵۳ ہزار روپیہ رنگون سے لیکر علیگڈھ واپس
تشریف لائے [illegible] صاحب کے خیال میں [illegible] رہی۔

فرماتے تھے کہ رنگون کے دولتمند مسلمانوں میں اسلام کی سچی محبت اور قوم کی سچی ہمدردی اور زمانہ کی ضرورتوں کے احساس کا بہت کچھ مادہ موجود ہے اور انکی فیاضیاں کسی طرح بمبی کے دولتمندوں سے کم نہیں۔ اگر کوئی اس مادہ کو ہیجان میں لانے والا ہو اور وقتاً فوقتاً اسکی تحریک کرتا رہے۔ تو قوم کو انکی فیاضیوں سے بہت نفع پہنچ سکتا ہے رنگون میں لاکھوں روپے کے اوقاف بے انتظامی کی حالتیں تھے۔ انکی نسبت بھی نواب محسن الملک بہادر نے وہاں کے ذی وجاہت اور با اثر مسلمانوں کو باقاعدہ طور سے اسکی نگرانی و حفاظت کو آمادہ کیا اور مولوی عبد السلام صاحب رفیقی نے خاص طور پر اس خیال کے متعلق کوشش جاری رکھی۔ اسپر سنا جاتا ہے۔ کہ اوقاف رنگون کے انتظام کے لئے مسلمانوں کی ایک خاص کمیٹی مقرر ہو گئی ہے جو انکی نگرانی اور حفاظت کرے گی اور انکی آمدنیاں جو فضول اور پریشان طور سے خرچ ہوتی اور غبن و تغلب میں برباد جاتی تھیں۔ انکو محفوظ رکھکر مناسب کاموں میں صرف کریگی خدا اس کمیٹی کے مسلمانوں کو جزائے خیر دے۔ اسسال ڈیوٹی ڈپوٹیشن بھی رنگون گیا تھا۔ اور خاطر خواہ کامیاب ہوا تھا۔

علی گڈھ کالج ایسوسی ایشن لنڈن

نواب محسن الملک کے وقت میں چند سال سے علیگڈہ کالج اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے واسطے لنڈن میں ایک مجلس اینگلو اورنٹیل علیگڈہ کالج ایسوسی ایشن کے نام سے قایم ہوئی ہے۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ اہل انگلستان اور ولایت کے ہندوستانی باشندوں کو علیگڈہ کالج اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں دلچسپی لینے کے لئے آمادہ کرے۔ یہ بہت ضروری مجلس ہے۔ اور اس مجلس کے تعلیم یافتہ اور روشن خیال ممبر اس مجلس کے ذریعے سے اپنے قومی اعزاز و رسوخ اور اپنی علمی ترقیات کے لئے مناسب وقت کارروائی کر رہے ہیں اور نہایت اعلیٰ درجہ کے لارڈ اور عہدہ دار جو ہندوستان میں رہ گئے ہیں۔ یا جنکو مسلمانوں کی علمی سوسائیٹی سے دلچسپی ہے

اس مجلس میں شریک ہوتے اور اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں۔ اس ایسوسی ایشن کے
بانی ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب اور سکرٹری مولانا مولوی سید علی بلگرامی ہیں۔
اس ایسوسی ایشن کا جلسہ ہر سال نہایت دھوم سے لنڈن میں ہوا کرتا ہے۔ اس کی
ایک شاخ کیمبرج میں بھی ہے۔

وَن رُوپی فنڈ

سنہ ۱۹۱۰ء کی دہلی کانفرنس میں اجلاس کے پریسیڈنٹ ہز ہائینس سر آغاخان
نے تجویز کی تھی۔ کہ ہندوستان میں محمدن یونیورسٹی قایم کرنے کے لئے ایک کروڑ
روپیہ جمع کیا جائے۔ اس تجویز کی تکمیل اسطرح آسان خیال کی گئی کہ وَن روپی فنڈ
قایم کیا جائے اور ہندوستان کے مستطیع مسلمانوں سے کم از کم ایک ایک روپیہ جمع کیا
جائے۔ اس فنڈ کے سکرٹری سید جعفر حسین صاحب اگزکٹو انجنیر ریاست گوالیار
قرار پائے۔ اور انہوں نے اس کام کو نہایت کامیابی مستعدی اور سچے جوش کیساتھ
چند سال تک انجام دیا۔ مگر اپنے فرایض منصبی کی وجہ سے آخر انہیں ون روپی فنڈ
کی سکرٹری شپ سے مستعفی ہونا پڑا۔ اب اس کے سکرٹری مسٹر ظفر عمر بی اے سابق
طالب علم علیگڈھ کالج حال پرائیویٹ سکرٹری ہز ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال ہیں۔ اس
فنڈ کی کامیابی میں جن لوگوں نے کوشش کی ان میں بنت نصیر الدین حیدر صاحب
(حیدرآباد) خاص شکریہ کی مستحق ہیں۔ افسوس ہے کہ اس فنڈ کی مقدار اب تک
صرف تین ہزار روپے تک پہنچی ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ

آل انڈیا مسلم لیگ ایک انجمن ہے جو ہندوستان کے مسلمانوں کے پولیٹیکل
حقوق کی حفاظت کیلئے چند سال سے قایم ہے۔ اس کے سکرٹری نواب وقار الدولہ
وقار الملک مولوی سید مشتاق حسین صاحب انتصار جنگ ہیں۔ اس انجمن کو نواب

محسن الملک کی لائف سے صرف اسی قدر تعلق ہے کہ ڈھاکہ کانفرنس میں نواب وقار الملک بہادر کیساتھ وہ بھی سکرٹری قرار پائے تھے۔

نواب محسن الملک اور علیگڈھ گزٹ

جہاں نواب محسن الملک مرحوم نے سرسید کے بعد اُن کے تمام کاموں کو اپنے ذمہ لیا تھا۔ وہیں علیگڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کی اڈیٹری بھی تھی۔ سرسید کے بعد جنوری سنہ ۱۹۰۱ء تک اخبار بند رہا جس کے سبب سے تمام قومی کاموں خصوصًا علیگڈھ کالج کی صحیح اطلاعیں وقت پر شائع ہونی بند ہوگئیں۔ نواب محسن الملک کے بعض دوستوں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اخبار کو از سر نو جاری کریں۔ چنانچہ بڑے اصرار کے بعد انہوں نے اخبار کے سلسلۂ جدید کا پہلا نمبر اپنی ایڈیٹری سے ۱۲ فروری سنہ ۱۹۰۱ء کو جاری کیا۔ درمیان میں کئی دفعہ ایسے حالات پیش آئے کہ اخبار کے کام سے ان کا جی چھوٹ چھوٹ گیا اور وہ اخبار بند کرنے پر آمادہ ہو ہو گئے۔ لیکن پھر اسے سرسید کی یادگار اور کالج کا آرگن سمجھکر جاری رکھا۔ اور سو روپیے ماہوار ٹرسٹیوں سے کالج فنڈ سے اخبار کو ملنے منظور کرائے۔ فروری سنہ ۱۹۰۱ء سے اسکے سکینڈ (اور نواب محسن الملک مرحوم کی وفات کے بعد سے چیف) اڈیٹر مولانا سید وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی ہیں۔ مولانا کے ہاتھ میں آکر اخبار نے جو ترقی کی ہے وہ اسے کبھی پیشتر نصیب نہ ہوئی تھی۔

کالج کی ترقی کا مختصر خاکہ

۳۱۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء کو ہز آنر سر جیمس ڈگس لاٹوش سابق لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ جب آخری مرتبہ کالج میں تشریف لے گئے تو انہیں رخصتی ایڈریس دیا گیا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایڈریس مذکور کے اس حصّہ کا خلاصہ یہاں درج کر دیا جائے۔ جس سے مختصر طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۹۸ء میں جب سرسید کا انتقال ہوا

سلہ اب کالج سکرٹری میجر سید حسن بلگرامی آنریری اسسٹنٹ سکرٹری حاجی محمد موسٰی خانصاحب شروانی رئیس دتاولی ضلع علیگڑھ کالج لسٹ ریزیڈنٹ نواب سر آغا خان قرار پائے ہیں۔ ۱۲

تو کالج کی کیا حالت تھی۔ اور نواب محسن الملک المرحوم کے انتقال سے ایک سال پہلے وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔

"سنہ ۱۸۹۵ء میں کالج میں ۳۲۳ طلبا تھے۔ اب ۵۱۸ ہیں۔ سنہ ۱۸۹۵ء میں ۲۱ طلبا بی اے میں کامیاب ہوئے تھے امسال ۴۷۔ سنہ ۱۸۹۵ء میں فیس سے ۸۹۸۹ روپے آمدنی ہوئی تھی۔ مگر امسال یہ ۳۹۷۸۳ روپے تک پہنچگئی ہے۔ سنہ ۱۸۹۵ء میں کل آمدنی کالج کی مختلف ذرائع سے ۳۰۸۲۷ روپے سالانہ تھی۔ اور اب ۱۴۴۳۰۵ روپے ہے۔ سنہ ۱۸۹۵ء سے آجتک آٹھ لاکھ روپے چندوں اور عطیوں سے وصول ہو چکے ہیں۔ اسٹریچی ہال جو مدت سے ناتمام پڑا تھا۔ ہز آنر کی فیاضی اور کرم فرمائی سے تکمیل کو پہنچا۔ اور اس کے ہر دو جانب کی عمارات بھی ہز آنر کی مہربانی سے تیار ہوئیں۔ کرزن ہسپتال۔ داوجی پیر بھائی منزل۔ آرنلڈ ہوس اور ممتاز لورڈ ڈگ ہوس بھی تمام ہو چکے ہیں۔ نیا یونین ڈوبیٹنگ ہال جو زیر تعمیر ہے نواب صاحب مالیر کوٹلہ کا عطیہ ہے۔ مسجد کے برج اور تین مینار بھی مکمل ہو چکے ہیں۔ راجہ صاحب نانپارہ نے تیس ہزار اسکول کی عمارت کے واسطے عطا کیا ہے۔ مگر عمدہ جگہ نہ ملنے کی وجہ سے ابھی کام نہیں شروع ہوا۔ مولوی حبیب الرحمٰن خان۔ نواب حسن علی خان۔ خان بہادر مزمل اللہ خان۔ نواب اعتماد الملک اور مولوی نظام الدین حسن نے عربی وظائف کے واسطے فیاضی سے روپیہ دیا ہے۔ عربی کی پروفیسری کے قیام کے متعلق جس کے لئے ہز آنر نے گورنمنٹ کی معرفت سے معقول امداد عطا فرمائی ہے۔ راجہ صاحب نانپارہ نے بارہ سو روپیہ سالانہ مستقل طور پر دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور راجہ تصدق رسول خان نے پچیس ہزار کی ایک رقم عطا فرمائی ہے اور مولوی نظام الدین حسن۔ سید علی امام۔ خلیفہ محمد حسین۔ حکیم کریم اللہ۔ مسٹر شیخ نوشاد علیخان اور شیخ شاہد حسین نے بھی فیاضی سے اس فنڈ کے واسطے چندہ دیا ہے۔ یوروپین پروفیسر عربی اس سال کے اخیر تک آ جائیگا۔ ہز ہائنس سر آغا خان نے سائنس کا ایک اسکول کھولنے کی تجویز پیش کی اور دس ہزار [illegible] ہز رائل ہائی نس پرنس و پرنسس آف ویلز کی تشریف آوری کی یاد میں

تازہ ترین اعداد یعنی بابت سنہ ۱۹۰۶ء یہ ہیں:۔ تعداد طلبہ (۸۰۰) سالانہ آمدنی (۱۵۲۶۵۵) روپیہ۔ نواب محسن الملک کے عہد میں [illegible] لاکھ [illegible] ہزار و [illegible] روپے کی آمدنی ہوئی۔

روپیہ اس کیواسطے عطا فرمایا تھا۔ اسکے بعد ہی سیٹھ آدم جی پیر بھائی نے ایک لاکھ دسہزار روپیہ عنایت فرمایا جس کے واسطے تمام قوم ان کی شکور ہے۔ آنریبل راجہ علی محمد خان والی محمود آباد نے ۳۵ ہزار روپئے دسمبر ۱۹۰۸ء میں دیئے۔ نواب ممتاز الدولہ سر فیاض علیخاں بہادر نے دسہزار۔ سر کریم بھائی ابراہیم ستوطن بمبئی نواب علی حسین خان سید حسن امام۔ خلیفہ محمد حسین۔ محمد نسیم اور سید التفات رسول نے فراخدلی سے سائینس اسکول کے واسطے چندہ دیا ہے۔ لیکن ہم خاص طور سے ہزآنر کے ممنون ہیں جنہوں نے بڑی عالی حوصلگی سے بیس ہزار روپیہ حال میں اس اسکول کے واسطے عطا فرمایا ہے۔ ممتاز بورڈنگ ہوس نواب ممتاز الدولہ بہادر سی۔ آئی۔ ای پریسیڈنٹ ٹرسٹیاں کالج نے تعمیر کرایا ہے۔ پہلے ۲۰ ہزار روپیہ اسکے لئے دیا گیا تھا۔ مگر بعد ازاں نوابصاحب بہادر کی فرمائش سے اسکی مقدار پچاس ہزار تک بڑھا دی گئی تاکہ بورڈنگ میں ۱۲۵ لڑکے رہ سکیں۔ نواب فیاض علیخان صاحب بہادر اس سال ساٹھ ہزار سے زیادہ روپیہ کالج فنڈ کیواسطے دے چکے ہیں“۔

یورپین اسٹاف کا اثر

سرسید کے زمانہ میں ایک بار چند انتظامی معاملات کی وجہ سے کالج کے طلبہ میں سخت برہمی پیدا ہوئی اور فوراً ہی رفع بھی ہوگئی تھی۔ لیکن اس قسم کے ناگوار واقعات کی تکرار کا دائمی انسداد ضروری تھا۔ اسکی تدبیر ایک طویل تحریر کے ذریعہ سے سرسید کو آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب نے یہ بتائی تھی کہ کالج کے چند انتظامات میں یورپین افسران اسٹاف کو بھی دخل دینا چاہیئے۔ یہ تجویز عام طور پر پسند کی گئی۔ اور نہایت کامیاب ثابت ہوئی۔ لیکن افسوس ہے کہ نواب محسن الملک کے عہد میں یورپین اسٹاف کی مداخلت کالج کے انتظامی معاملات کے اندر حد سے زیادہ بڑھ گئی جو کالج کی خصوصیات اور روایات کے لحاظ سے بالکل ناروا بات تھی۔ گو اس خرابی کو ہمیشہ نواب محسن الملک مرحوم کی کمزوری پر محمول کیا گیا۔ مگر اس سے

اصلی جواب دہ درحقیقت کالج کے وہ ٹرسٹی ہیں جو کالج کی نگرانی کا تمام بار سکرٹری اور
چند دوسرے کام کرنے والے لوگوں پر نہ اس وجہ سے ڈال دیتے ہیں کہ ان کو سکرٹری
اور دیگر کارکنوں پر بھروسا ہوتا ہے۔ بلکہ محض اس سبب سے کہ وہ کالج کی ٹرسٹی شپ کو صرف
نام و نمود اور حکام رسی کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں اور کالج اور قوم کے لئے کسی قسم کی تکلیف
برداشت نہیں کرنی چاہتے۔ اگر اتنی اہم ذمہ داری کے کام کو صرف معدودے
چند لوگ کامیابی کے ساتھ اٹھا سکیں تو پھر ٹرسٹیوں کی اتنی بڑی اور شاندار جماعت
رکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ المختصر جس طرح سرسید مرحوم کے زمانہ میں شام بہاری لال
نے روپیہ غبن کیا اسی طرح نواب محسن الملک مرحوم کے عہد میں یورپین اسٹاف نے
سکرٹری اور ٹرسٹیوں کے اثر کو غصب کیا۔ جسکے جواب دہ سرتاسر غیر ذمہ وار ٹرسٹی ہیں

قیصر ہند کا طلائی تمغہ

نواب محسن الملک بہادر کی اولوالعزمی اور عالی دماغی اور اُن کے مشہور آفاق خدمات
رفاہ عام اور نظام گورنمنٹ کی قدردانیوں نے انکو اُن کے شایان شان اور حسب
حال خطابات نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ بہادر سے سرافراز فرمایا۔ اور
انکی مشہور عام بلند نامی نے اُن کے خطاب محسن الملک کو زبان زد خاص و عام کر دیا۔
اور انکا یہ خطاب سرکاروں اور درباروں اور اخباروں میں عام طور سے قبول کر لیا گیا۔
انکے لئے اس سے زیادہ کیا کوئی خطاب ذریعۂ شہرت نہو سکتا تھا۔ لیکن جب کہ
جناب موصوف کو دوسرا سرسید تسلیم کیا گیا۔ اور جبکہ اُن کے لاثانی خدمات سے قوم کو غیر متوقع
فواید اور گورنمنٹ کی پالیسی کو استحکام مزید حاصل ہوا تو شاہنشاہی دربار سے انکو
وہی خطاب حاصل ہونا چاہیئے تھا جو سرسید کو حاصل تھا۔ مگر دربار قیصری سے بتقریب
تشریف آوری حضور پرنس آف ویلز بہادر حسن انتظام کا تمغہ قیصر ہند طلائی مرحمت ہوا۔
اور ہز آنر لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ نے اکتوبر ۱۹۰۶ء میں خود علیگڈھ آکر جلسہ عام
میں تمغہ نواب محسن الملک مرحوم کے سینہ پر آویزان کیا۔ ہر چند یہ اعزاز بھی ہر طرح کے

شکریہ کا مستحق ہے لیکن تمام قوم اور تمام اسلامی اخبارات نے اپنے ایسے عالی شان لیڈر کے لئے صرف تمغۂ قیصری کو کافی خیال نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ ایک معزز خطاب سے اونکو اعلےٰ طبقہ کے خطاب یافتوں کی صف میں شریک دیکھنے کے آرزومند تھے اور اگر گورنمنٹ کے سامنے ایسی نمایاں خدمات کو آنکھیں بند کرکے نہ دیکھیں۔ تو مرحوم کے مستحق خطاب ہونے میں کوئی تامل نہیں ہوسکتا۔ اور جبکہ گورنمنٹ ہند نے ہمیشہ ان کے کاموں سے مدد پائی اور ان کے مقبول عام خدمات کو تمام رزیڈنٹوں نے تسلیم کیا اور نظام گورنمنٹ کی ہر پارٹی اونکی تعریف میں رطب اللسان رہی تو کسی ایک رائے کی پولیٹیکل مخالفت سے ان کی عام خدمات سے قطع نظر کرنا روشن خیال گورنمنٹ کے سزاوار شان نہیں ہوسکتا تھا۔ اور سرآئندہ دوسرے امیدوار طبائع پر اثر ڈالنے کے لئے گورنمنٹ کو انکی قابل قدر خدمات کے صلہ میں عطائے خطاب کو اپنی پالیسی کے مزید استحکام کے لئے مناسب خیال کرنا چاہیئے تھا تاکہ قابل قدر خدمات کے لئے دوسروں کے حوصلے پست نہ ہوں۔ پس گورنمنٹ کی ذات سے قوی اُمید ہے کہ وہ مرحوم کے جانشین کو جو یقیناً نواب وقار الملک بہادر ہونگے کسی شایان شان خطاب و تمغہ سے ممتاز فرماکر مسلمانوں کو شکرگزاری کا موقعہ دیگی۔

کالج کے طلبا کی خوفناک ہڑتال

گذشتہ چند سال سے کالج اور بورڈنگ ہاؤس کے اندرونی انتظامات میں ایسے نقائص اور ان کے انسداد کی جانب سے مایوسی کے ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ کالج کے طلبہ انہیں کسی طرح برداشت نہ کرسکتے تھے۔ اور اُن کی ناراضی جوالا مکھی کے آتشگیر مادہ کی طرح اندر ہی اندر جوش مار رہی تھی۔ جس نے آخرکار ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء میں ایک ایسی خوفناک صورت سے خروج کیا کہ اس سے نہ صرف کالج کے درودیوار ہل گئے بلکہ ہندوستان کی ساری اسلامی دنیا میں لرزہ پیدا ہوگیا اور اس کی گرج ہندوستان سے گذر کر غیر ملکوں تک پہنچ گئی۔ اس ناگوار کی واقعہ کی مفصل کیفیت سے ملک ناواقف۔

ـــــ سال نو کے خطابات تقسیم ہونے پر ہزآنر لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ نے محسن الملک بیگم کو اطلاع دی تھی کہ اگر نواب صاحب زندہ رہتے تو اس موقعہ پر انہیں سی۔ آئی۔ ای کا تمغہ اور خطاب ملتا۔

نہیں ہے یہاں اسکا اعادہ شاید ہماری اس کتاب کے احاطہ خارج ہو۔ لیکن مختصراً اتنا بتا دینا
ضروری ہے کہ مارچ ۱۹۰۷ء کی نمائش علیگڈھ کے موقع پر کالج کے ایک طالب علم اور
پولیس کے سپاہی میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ جس کی رپورٹ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس نے
پرنسپل کالج کو کی جنہوں نے طالب علم کو سزا دی۔ کالج کے طالبعلموں نے پرنسپل
صاحب کے اس حکم پر اعتراض کیا۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھی کو بالکل بے قصور سمجھتے تھے
اور موقعہ کی چشم دید شہادتوں سے انہوں نے اسے ثابت بھی کر دیا تھا۔ قصہ کوتاہ معاملے نے
طول کھینچا اور کالج کلاسوں کے کم و بیش ۵ سو طلبہ نے ہڑتال کر دی اور کالج چھوڑ کر
چلے گئے۔ اگرچہ یہ معاملہ بظاہر کچھ زیادہ اہم نہ تھا لیکن کالج کے یورپین اسٹاف اور اسٹیشن
کے یورپین حکام نے اس پر پولیٹیکل رنگ چڑھا دیا۔ اور گو طلبہ کے لیڈر معاملہ کے پولیٹیکل ہونے
سے برابر انکار کرتے رہے تھے تاہم برائے چندے یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ خدانخواستہ
گورنمنٹ کہیں یورپین اسٹاف کے بیان کو باور نہ کر لے اور یہ معمولی مقامی واقعہ کالج کے
حق میں مہلک ضرب نہ ثابت ہو۔ لیکن گورنمنٹ کی دوربینی و مصلحت اندیشی ہزار
تحسین و آفرین کی مستحق ہے کہ اس نے صورت معاملہ کو اسی نظر سے دیکھا جس نظر سے
از روئے انصاف وہ دیکھا جانا چاہیے تھا۔ اور ہز آنر لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ نے
بہ نفس نفیس کالج میں تشریف لا کر بعد تفتیش معاملہ کی نوعیت کی جانب سے مزید اطمینان
حاصل کیا۔ اسکے بعد ٹرسٹیوں نے ایک کمیشن تحقیقات مقرر کیا۔ اور اس نے بھی اپنی رپورٹ
میں شورش کا تعلق پالٹیکس سے ہونے کے متعلق اسٹاف کے بیان کو بالکل بے بنیاد
قرار دیا۔ اگرچہ اس ہنگامۂ بے ہنگام کا خاتمہ خدا کی عنایت سے خاطر خواہ طریق پر ہوا۔
لیکن نواب محسن الملک کو اس صدمہ نے آڑے طرح بٹھا دیا۔ اور اس کا ان کی تندرستی
پر جو ہمیشہ خراب رہتی تھی۔ (مگر قومی کاموں کے اندر انہماک کی وجہ سے وہ اسکی
کبھی پروا نہ کرتے تھے) ایسا اثر پڑا کہ آخر وہ جانبر نہ ہو سکے۔ وہ کہتے تھے کہ
میں اس رنج سے گھلتا جاتا ہوں۔ اور واقع میں ایسا ہی تھا۔ نواب صاحب مرحوم نے
سبب سے استعفا بھی دیدیا تھا۔ مگر پھر چاروں طرف کے اصرار سے مجبور ہو کر واپس لیا

علالت

نواب محسن الملک مرحوم کی عام صحت عرصہ سے خراب چلی آتی تھی۔ اور اکثر اعضار رئیسہ ماؤف ہوگئے تھے۔ لیکن جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ کالج طلبہ کی شورش کے بعد سے وہ ایسے گرے کہ زندگی کی جانب سے بالکل مایوس ہوگئے۔ اور بغرض علاج و تبدیل آب و ہوا حسب معمول بمبئی چلے گئے۔ اگرچہ ڈاکٹروں نے کام کرنے کے لئے منع کر دیا تھا۔ مگر وہ برابر قومی کام انجام دیتے رہے اور پونا اور بمبئی میں مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق اس زمانہ میں جو جلسے ہوئے ان میں برابر شریک ہوئے اور تقریریں کیں۔ بمبئی کے قیام سے گونہ افاقہ ہوا تھا۔ کہ اٹاوہ سے بڑے بھائی مولوی غلام عباس صاحب مرحوم کی سخت علالت کی اطلاع پہنچی اور وہ بمبئی سے اٹاوہ چلے گئے۔ ۲۳ ستمبر کو اٹاوہ سے علیگڈہ آئے۔ اور وہاں سے شملہ چلے گئے اور ایسے گئے کہ پھر زندہ واپس نہ آئے۔ شملہ پر حضور وائسرائے اور ہز آنر سر ڈنزل ابٹسن لفٹننٹ گورنر پنجاب سے ملاقات کی۔ حضور وائسرائے کی خدمت میں توسیع کونسل والی اسکیم کا اپنی اور اپنی قوم کی جانب سے شکریہ ادا کیا۔ اور سر ڈنزل کے تعزیتی تار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بھی اہم سیاسی و قومی معاملات درمیان آئے تھے۔

مرض الموت و انتقال

نواب محسن الملک بہادر جب علیگڈہ سے شملہ تشریف لائے تو پہلے سیسل ہوٹل واقع چوڑے میدان میں فروکش ہوئے تھے۔ لیکن وہاں چند یوم ہی رہ کر بابو عبد الاحد صاحب اسسٹنٹ انجنیر پبلک ورکس کی کوٹھی واقع سنجولی میں اٹھ آئے نواب محسن الملک کے شملہ تشریف لانے سے ان کے مرض میں بہت کچھ تخفیف ہوگئی تھی اور بفضل خدا اچھی طرح سے سیر و تفریح کرنے لگے تھے۔ آپ کا ارادہ علیگڈہ جانے کا بھی ہوا۔ مگر قضائے ایک قدم بھی آگے رکھنے نہ دیا۔ ۱۳ اکتوبر تک اس قومی حادثہ کا دہم گمان

تک نہ تھا۔ لیکن ۱۹ تاریخ کو یکایک طبیعت بگڑی اور ایسی بگڑی کہ خود نواب صاحب کو اپنی زندگی کا بھروسا نہ رہا۔ سرخ باد کا دورہ ہوا۔ یہ مرض آپ کو پہلے بھی کئی بار ہو چکا تھا۔ مگر اس مرتبہ ایسا سخت ہوا کہ تمام چہرہ اور سر اور گردن پر ورم آگیا تھا۔ جسکی وجہ سے آنکھیں تک بند ہوگئی تھیں۔ حضور وائسرائے نے اپنے خاص سرجن کو نواب صاحب کے علاج کے لئے متعین کیا۔ زیادتی ورم کی وجہ سے دوبار عمل جراحی بھووں کے اوپر کیا گیا۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ورم بڑھتا گیا۔ اور دماغ تک اسکا اثر جا پہنچا۔ تمام خون زہریلا ہوگیا تھا۔ بخار کبھی ایک سو تین اور کبھی ایک سو چار درجہ کا رہنے لگا۔ آخر میں نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اور اپنے دوستوں اور ملازموں کو بلا کر کہا کہ مجھے اب اپنی زندگی کا اعتبار نہیں ہے۔ پس آپ سب صاحب گواہ رہیں کہ میں صدقِ دل سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہوں اور جو کچھ میں نے قوم و ملک کی خدمات کی ہیں وہ نیک نیتی کے ساتھ کیگئی ہیں۔ اور اگر انمیں کوئی غلطی واقع ہوئی ہو۔ تو میں بے قصور ہوں۔ کیونکہ میری سب کارروائیاں نیک نیتی پر مبنی تھیں اور میری اس نیت کا جاننے والا میرا خدا ہے پاک ہے۔ دوستو! تم نے میری خدمت بہت کچھ کی ہے۔ مگر اب میری آخری خدمت یہ ہے کہ مجھکو اٹاوہ پہنچا دینا۔ بس یہی ایک آخری خدمت ہے" ناگزیر دوستوں نے بہت سا دلاسا دیا۔ لیکن محسن قوم اپنے نزدیک اپنی پیاری قوم سے الوداع ہو چکے تھے۔ دس اکتوبر سے نواب سید سردار علی خان میر بمبئی آپ کی ملاقات کو آئے ہوئے تھے۔ گویا اُس آخری وقت میں یہی ایک رفیق تھے جو چند یوم تک کام آئے۔ اُن سے بھی فرمایا کہ میری آخری خدمت یہی ہے کہ مجھکو اٹاوہ پہنچا دیا جائے۔" علاوہ ازیں اور بہت سی باتیں کہیں۔ پھر ایک صاحب سے فرمایا کہ اٹاوہ میرے بھتیجے کو خط لکھدو۔ چنانچہ انہوں نے خط لکھنا شروع کیا جو لفظ زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے۔ وہ صاحب لکھتے جاتے تھے۔ آخیر میں یہ لکھوایا کہ میرا مرض بہت ترقی کر گیا ہے۔ میں شملہ سے اٹاوہ آتا ہوں۔" چونکہ آنکھ پر عمل جراحی کی وجہ سے پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اسلئے جب خط لکھا جا چکا تو اُس کو

ٹٹول کر دیکھا۔ اور ایسے بیہوش ہوئے کہ پھر ہوشیار نہ ہوسکے یہانتک کہ اپنے بھتیجے کا نام بھی نہ بتا سکے۔ تھوڑی دیر بعد خود بخود باتیں کرنے لگے اور اسقدر غافل ہوئے کہ ہزیان غالب آگیا۔ ۱۵۔ اکتوبر کی تمام رات غافل رہے۔ اور ۱۶۔ اکتوبر کو شام کے ٹھیک ساڑھے چار بجے آپکا مرغ روح قفس عنصری سے عالم بالا کو پرواز کر گیا اور محسن الملک بہادر اپنی پیاری قوم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

محسن الملک کا آنکھ بند کرنا تھا کہ تمام شملہ میں ایک ماتم کا عالم بپا ہو گیا۔ شملہ کے معزز و ممتاز رؤسار اور امرار کو اطلاع دیدی گئی۔ جنمیں سے بعض بعض اصحاب فوراً سنجولی پہنچے۔ اور محسن الملک کے سوگ میں شریک ہوئے۔ چنانچہ کرنل محمد عبدالمجید خان صاحب ممبر کونسل آف پٹیالہ۔ مقام کوسمٹی سے چلکر پہنچے۔ اور بڑی رات گئے تک میت کے پاس رہے۔ راتوں رات ریل کی سواری کا انتظام کیا گیا۔ اور تمام ہندوستان میں تار برقیاں دوڑا دیگئیں۔ اور حضور والیسرائے کو بھی فوراً خبر دیگئی۔ اور میت کے واسطے صندوق بھی شباشب تیار کرا دیا گیا۔ غرضکہ تمام ضروری کام سرانجام کو پہنچ گئے۔ صبح ہوتے ہی شملہ۔ خورد شملہ۔ کوسمٹی اور لکڑ بازار وغیرہ وغیرہ کے لوگ اور اکثر رؤسار و امرار سنجولی میں عبدالاحد صاحب کی کوٹھی پر موجود ہو گئے۔ جہاں پر نواب صاحب کا وصال ہوا تھا۔ ۷ بجے کے بعد جنازہ تیار ہو گیا۔ اور جناب منشی فخرالدین صاحب اور خواجہ عبدالغفار صاحب و بابو عبدالاحد صاحب و کرنل عبدالمجید خانصاحب ممبر کونسل آف پٹیالہ وغیرہ وغیرہ موجود تھے۔ جب صندوق میں لاش رکھکر چہرہ مبارک دکھایا گیا اسوقت رقت اور آہ و بکا کا عجب عالم تھا۔ ۹ بجے کے بعد سنجولی سے لوگوں نے جنازہ اپنے ہاتھوں سے اٹھایا۔ اور عموماً تمام شہر شملہ کے مسلمان جنازہ میں شامل ہوئے۔ گرجا گھر کے میدان میں جنازہ کی نماز پڑھائی گئی اگرچہ جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادہ تھا۔ مگر چونکہ ریل گاڑی کی روانگی میں تھوڑا عرصہ رہگیا تھا۔ اس واسطے گرجا کے میدان میں جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔ نماز سے

فارغ ہوکر جنازہ کو سیدھے اسٹیشن ریلوے پر لیگئے ۔ گاڑی بھی بالکل تیار کھڑی ہوئی تھی ۔ لیکن کرنل عبدالمجید خان صاحب ممبر کونسل آف پٹیالہ نے یہ انتظام کیا تھا کہ ایک یورپین فوٹوگرافر جنازہ کی تصویر لینے کے لئے موجود تھا ۔ چنانچہ فوراً جنازہ پہنچتے ہی اس کی تصویر دو حالتوں میں لیگئی ۔ ایک میں جنازہ رکھا ہوا ہے اور اسکی چاروں طرف تمام مسلمان کھڑے ہوئے ہیں ۔ اور دوسری فوٹو میں کرنل عبدالمجید خان ممبر کونسل آف پٹیالہ اور دیگر اصحاب جنازہ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں ۔ صندوق پر سفید چادر تھی اور چادر پر ایک دوشالہ ڈال رکھا تھا ۔ اور دوشالہ پر پھول تھے ۔ فوٹو سے فارغ ہونے کے بعد نعش کو گاڑی میں رکھا گیا ۔ لاش کا صندوق نیواڑ کے پلنگ پر رسیوں سے باندھ دیا گیا تھا ۔ اس پلنگ کو مع صندوق گاڑی میں حفاظت سے رکھا اور نواب مرحوم کے دو پرانے ملازم گاڑی میں لاش کے پاس بٹھلائے گئے نواب محسن الملک بہادر کی لاش کے ہمراہ ایک تو ڈاکٹر شفاعت اللہ صاحب تھے ۔ جو علیگڈھ سے نواب صاحب کی تیمارداری کے لئے تشریف لائے تھے ۔ دوسرے انکے کمپونڈر تھے ۔ اور تین وفادار ملازم اور کرنل عبدالمجید خانصاحب آف پٹیالہ بھی اسی گاڑی میں سوار ہوکر شملہ سے رخصت ہوئے ۔

تدفین کا جھگڑا

نواب صاحب کا انتقال ہوتے ہی شملہ سے ہندوستان کے ہر حصہ کو خصوصاً ٹرسٹیان کالج کی اطلاع کے لئے تار برقیاں دوڑنے لگی تھیں ۔ ایک تار اسی وقت سید سردار علی خانصاحب کیجانب سے قایم مقام سکرٹری علیگڈھ کالج کے نام پہنچا جس کا مضمون یہ تھا ۔

"یہ اطلاع دینے سے دل خون ہوتا ہے کہ آج شام کے چھ بجے نواب محسن الملک بہادر کا انتقال ہوگیا ۔ کل شب کو کلکتہ میل سے ان کی لاش اٹاوہ کو جائیگی"۔

اس غیر متوقع تہلکہ انگیز تار کے جواب میں مدرستہ العلوم سے فوراً اس مضمون کا

تار شملہ کو بھیجا گیا۔ "اٹاوہ کو لاش کیوں جائے گی۔ ان کو یہاں دفن ہونا چاہیئے"
اس تار کا جواب حسب مندرجہ ذیل وصول ہوا:۔
"نواب صاحب کی لاش ان کی اس وصیت کے مطابق جو انہوں نے مرتے دم کی ہے اٹاوہ کو جائے گی"
اس جواب کے وصول ہونے پر علیگڈھ سے نوابصاحب مرحوم کے عزیز سید اشفاق حسین بی اے اٹاوہ کو اس غرض سے بھیجے گئے کہ وہ وہاں جا کر اس امر کی کوشش کریں کہ انکے اہل خاندان علیگڈھ میں نواب صاحب مرحوم کے دفن ہونے پر رضامند ہوں۔
صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب نے مفصلہ ذیل ارجنٹ تار حیدرآباد دکن بیگم صاحبہ محسن الملک کی خدمت میں روانہ کیا۔ "نواب صاحب محسن الملک مرحوم کی لاش کا علیگڈھ کالج میں دفن ہونا مناسب ہے نہ کہ اٹاوہ میں۔ آپ اپنی مرضی سے فوراً بواپسی تار اطلاع دیں"
ٹرسٹیان موجودہ علیگڈھ نے نہایت عجلت کے ساتھ ایک جلسہ کرکے بالاتفاق یہ امر پاس کیا۔ کہ نواب محسن الملک بہادر کے جو بیشمار احسانات مدرسۃ العلوم پر ہیں انکے لحاظ سے مدرسۃ العلوم میں ان کا دفن کیا جانا مناسب ہے یہ گویا ان احسانات کا اعتراف ہے۔ سرسید مرحوم کے ساتھ انہوں نے مثل دائیں بازو کے کام کیا اور ان کے بعد کالج کو ایسی حیرتناک ترقی ان کی سرگرمیوں اور کوششوں سے ہوئی کہ خود سرسید کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ سرسید کے پہلو میں دفن کئے جانیکا حق ان سے بڑھکر اور کس کو ہو سکتا ہے۔ اگر نواب صاحب مرحوم نے کوئی وصیت اٹاوہ میں دفن کئے جانے کی نسبت کی ہے تو اسکی وجہ غالباً یہ ہوگی۔ کہ خان بہادر زین العابدین مرحوم کے دفن کئے جانے کے بعد چند وجوہ سے یہ رزولیوشن پاس کیا گیا تھا۔ کہ آیندہ کوئی شخص کالج میں دفن نہ ہونے پائے اس رزولیوشن کا حال نواب صاحب مرحوم کو معلوم تھا انہوں نے اس خیال سے کہ مدرسۃ العلوم میں میرے دفن کئے جانے کی نسبت شاید کوئی دقت ہو اگر اس قسم کی وصیت کردی ہو۔ تو کوئی تعجب نہیں۔ مگر ان کی حالت خاص ہے۔ ان کی ذات پر اس رزولیوشن کا

کوئی خاص اثر نہ ہونا چاہیئے۔ مدرسۃ العلوم کی نہایت بدقسمتی ہوگی اگر ان کی لاش کسی اور جگہ دفن کی جائے۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی مدرسۃ العلوم اور قوم کی خدمت میں قربان کی اور وہ مرتے دم تک بس اسی ایک دھن میں محو رہے اس لئے ان کی لاش یہیں دفن ہونی چاہیئے۔ اگر اس باب میں نواب صاحب مرحوم کے عزیزوں کو کچھ اختلاف ہو تو اسکی وجہ ان کی عزیزداری کی فیلنگ ہے مگر یقین ہے کہ آیندہ وہ بھی اس تجویز کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھینگے اور ہماری اس تحریک کی قدر کریں گے۔ ۱۷۔ اکتوبر کو رات کے دو بجکر ۱۳ منٹ پر کلکتہ میل ٹرین علیگڈہ کے اسٹیشن پر پہنچی اسوقت شہر کے بہت معزز لوگ اور طلبائے مدرسۃ العلوم و ٹرسٹیاں کالج موجودہ علیگڈہ موجود تھے۔ نواب صاحب مرحوم کی لاش کا تابوت جس گاڑی میں تھا۔ اسمیں نواب صاحب مرحوم کے دو ملازم جہانگیر خان اور غنی سوار تھے۔ ڈاکٹر شفاعت اللہ بھی جو شملہ پر علاج کے لئے بلائے گئے تھے اسی ٹرین میں واپس آئے تھے۔

علیگڈہ میں ٹرین کے پہنچنے پر صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب نے اسٹیشن ماسٹر صاحب سے گاڑی کاٹنے کو کہا نواب صاحب مرحوم کے عزیز سید اشفاق حسین بی اے جو علیگڈہ سوا تا دہ کو اس غرض سے بھیجے گئے تھے کہ نواب صاحب کے عزیزوں کو لاش کے علیگڈہ دفن ہونے پر آمادہ کریں۔ اور بعض دیگر اصحاب نے جو اٹاوہ سے نواب صاحب مرحوم کے عزیزوں کی طرف سے آئے ہوئے تھے۔ اس امر سے اختلاف کیا اور خواہش کی کہ گاڑی نہ کاٹی جائے بلکہ اسکو اٹاوہ تک جانے دیا جائے۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب نے نواب صاحب کے عزیز نذیر بیگ صاحب کو جو دہلی سے اسی ٹرین میں نواب صاحب کے تابوت کے ساتھ آرہے تھے۔ اسٹیشن ماسٹر کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ یہ نواب صاحب مرحوم کے عزیز ہیں اور لاش کے ساتھ آرہے ہیں۔ ان سے اس امر کی بابت دریافت کر لیجئے اسٹیشن ماسٹر نے نذیر بیگ صاحب سے دریافت کرنیکے بعد گاڑی کاٹنے کا حکم دیا۔

۱۸۔ اکتوبر کو دن کے دس بجے کی گاڑی میں نواب وقار الملک بہادر بھی ریلوے اسٹیشن علیگڈہ پر پہنچے۔ نذیر بیگ صاحب نے ان کی اور دیگر ٹرسٹیوں کی موجودگی میں نواب صاحب مرحوم کے دونوں ملازموں اور ڈاکٹر شفاعت اللہ صاحب کو اپنے سامنے

بلوایا اور ان کا اظہار لیا اور اس امر کی تحقیقات کی کہ آیا نواب صاحب مرحوم نے اس باب میں کوئی وصیت کی ہے یا نہیں۔

جب یہ امر خوب پایۂ تحقیق کو پہنچگیا کہ نواب صاحب مرحوم نے اپنی تدفین کے متعلق کوئی وصیت نہیں کی تھی تو نواب وقار الملک بہادر بذات خود گاڑی کے پاس تشریف لیگئے اور نواب محسن الملک کا تابوت ان کے عزیزوں کی موجودگی میں گاڑی سے اُتارا گیا۔ حاضرین نے تابوت کو ایک پلنگ پر رکھا اور اوپر ایک سفید دوشالہ ڈالا۔ پھر اس پلنگ کو کندھوں پر اٹھا کر کالج کیطرف لے چلے اسوقت پونے گیارہ بجے تھے۔ نواب وقار الملک بہادر نے بیان کیا تھا کہ جن جن مقامات سے انکار گذر ہوا تمام مسلمان اس امر کی آرزو ظاہر کرتے تھے۔ کہ نواب صاحب مرحوم کی لاش مدرسۃ العلوم علیگڈھ میں دفن کیجائے۔ نماز جمعہ کے بعد مدرسۃ العلوم کی مسجد میں جنازہ کی نماز پڑہی گئی۔ جس میں ٹرسٹیان کالج وطلبائے موجودہ علیگڈھ اور شہر کے بہُت سے آدمی شریک تھے اس کے بعد ٹھیک تین بجے تابوت سے لاش نکالی گئی۔ اور اس احاطے میں جس میں خان بہادر سید زین العابدین مرحوم کی قبر ہے۔ اور جو سرسید مرحوم کی قبر کے احاطے سے متصل ہے نہایت حسرت و اندوہ کے ساتھ دفن کی گئی۔ یہ قبر جس میں لاش دفن کی گئی سرسید مرحوم اور سید زین العابدین مرحوم کی قبروں کے درمیان ہے نواب صاحب مرحوم کے عزیز سید اشفاق حسین نے خود اپنے بزرگ کی لاش کو قبر میں اتارا اور مرزا نذیر بیگ صاحب نے بھی اس کام میں مدد کی۔ مسجد سے باہر ہزاروں غریب اور محتاج آدمیوں کی بھیڑ تھی۔ جنکو اناج اور پیسے تقسیم کیے گئے۔ لاش کے دفن ہونے کے بعد تمام حاضرین نے فاتحہ پڑہی اور بچشم پُرنم کالج کی مسجد سے رخصت ہوئے۔ سوم کی فاتحہ ۲۰ اکتوبر کو ادا کی گئی۔

نواب محسن الملک مرحوم کی زندگی سے چند سبق

نواب محسن الملک مرحوم کی زندگی نہایت بیش بہا تھی اختصاراً یہاں چند باتیں ہر انسان وسیع المعلومات حسن سلیم کو مضمون طبع سے بیاختیار سو لکھی جاتی ہیں جو انکی تقلید میں داخل نہیں ہیں اور رفتہ رفتہ طبیعت ثانی ہو جاتی ہیں

تھیں اور جن سے نہایت قیمتی سبق آجکل کے مسلمانوں کو حاصل ہو سکتے ہیں۔

نواب محسن الملک کی آغاز شباب سے یہ عادت تھی کہ جو کام ملازمت کا اُن کے سپرد کیا جاتا تھا۔ وہ اس کو خوب جی لگا کر انجام دیتے تھے۔ اور اس کے انجام دینے میں نہایت محنت اور جفاکشی کرتے تھے۔ جی لگا کر کام کرنے اور محنت و کوشش کا پورا حق ادا کرنے کے سبب سے ہر ایک کام۔ جو کہ وہ ہاتھ میں لیتے تھے۔ ادنیٰ حالت سے اعلےٰ حالت پر ترقی کر جاتا تھا۔ اسی سبب سے اُن کے افسر بھی اُن سے خوش رہتے تھے اور ان کی ترقی تنخواہ و عہدہ کے لئے ہر وقت کربستہ رہا کرتے تھے۔

ایک عادت نواب محسن الملک مرحوم میں یہ تھی کہ وہ مختلف عقائد کے لوگوں سے نہایت دوستانہ برتاؤ کرتے تھے۔ ان کے دوستوں کا حلقہ سرسید مرحوم کی نسبت زیادہ وسیع تھا۔ عیسائی۔ پارسی۔ یہودی۔ ہندو۔ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لوگ ان سے ملاقات کرتے تھے۔ اور کسی کو اُن سے شکایت نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ سب اُن کے حسن اخلاق کے مداح اور ثنا خوان پائے جاتے تھے۔ ملاقات کے وقت کبھی کوئی ایسی بات اُن کی زبان پر بھولے سے بھی نہیں آتی تھی۔ جو کسی گروہ کے آدمی کے لئے رنجدہ اور باعث شکایت ہو۔

نہایت اعلےٰ اور پاکیزہ خصلت جو نواب صاحب مرحوم میں پائی جاتی تھی۔ وہ یہ تھی کہ کسی شخص کے اختلاف رائے سے ان کو کسی حالت میں رنج نہیں ہوتا تھا۔ وہ نہایت خندہ جبینی سے ہر شخص کے اختلاف رائے کو سنتے اور اسپر غور کرتے تھے۔ یہ اختلاف رائے کسی شخص کی طرف سے خواہ تحریری ہوتا۔ یا کوئی شخص ان کے روبرو زبانی طور پر اختلاف رائے کا اظہار کرتا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ اس کے پڑھنے یا سننے کے بعد اُن کے تیور پر کوئی بل آتا۔ بعض موقعوں پر ہم نے یہاں تک دیکھا ہے کہ لوگوں نے ان کے سامنے نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ ان کی ذات پر حملے کئے اور اختلاف رائے ہی پر بس نہیں کی۔ بلکہ کھلم کھلا مخالفت کا اظہار کیا۔ تاہم وہ اُس مخالفت کو ہنسی اور خندہ دلی کے ساتھ انگیز کرتے رہے اور کوئی ایسی حرکت اُن سے ظہور میں نہیں آئی۔ جو اُن کی شان کے خلاف

ہوتی۔ حاضرین پر اس تحمل کا بہت نمایاں اثر ہوتا تھا۔ اور اکثر حیرت میں غرق ہو جاتے تھے۔

ایک عادت ہمیشہ سے نواب محسن الملک مرحوم میں یہ تھی کہ وہ ہر ایک نئی بات کو قبول کرنے میں اول اول جھجکا کرتے تھے۔ مگر جب یہ ثابت ہو جاتا تھا۔ کہ وہ بات معقول ہے گو کہ اُن کے پُرانے خیالات کے خلاف ہے۔ تو بخوشی اسکو قبول کر لیتے تھے۔ اور جب تک کہ اسکے خلاف کوئی بات ثابت نہیں ہوتی تھی۔ اسکو برابر مانتے رہتے تھے اور زبان اور قلم سے اسکی ہمیشہ حمایت کرتے تھے۔ اسی عادت نے اُن کے خیالات کو ترقی دی تھی اور ان کے دل و دماغ کو منوّر کیا تھا۔

مرتے دم تک نواب محسن الملک کو مطالعہ کا شوق رہا۔ انگریزی اردو اور عربی کے بہت سے رسالے اور اخبار ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ اور ڈاک کے آنے پر وہ نہایت سرگرمی کے ساتھ اُن کے دیکھنے میں محو ہو جاتے تھے۔ عربی۔ فارسی۔ اُردو اور انگریزی کی کتابوں کا ایک کتب خانہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔ رات کو پلنگ پر لیٹ کر جس کتاب کو وہ چاہتے مطالعہ کرنے لگتے تھے۔ اور قابل یادداشت مقامات کا نشان اس کتاب کے حاشیے پر کرتے جاتے تھے۔ جب ساری کتاب دیکھ چکتے۔ تو کتاب کے اول میں تمام قابل یادداشت مقامات کے عنوان اپنے قلم سے لکھکر ان کے سامنے صفحات کے نمبر لکھ دیا کرتے تھے۔ اس عادت نے اُن کی معلومات کے دایرہ کو بہت وسیع کر دیا تھا۔

جن لوگوں سے اُن کی جان پہچان اور ملاقات ہوتی تھی اُن کے ساتھ وہ ہمیشہ نیک سلوک کرتے تھے۔ نہ حکام کو اُن کی نسبت سفارش لکھنے میں دریغ کرتے تھے اور نہ بذات خود اُن کی مدد کرنے میں کوتاہی کرتے تھے۔ سینکڑوں آدمیوں کو۔ جو مختلف قوم اور مذہب کے تھے۔ انہوں نے نوکر رکھوایا اور سینکڑوں کے ساتھ اپنی ذات سے سلوک کیا۔ فیاضی اور سخاوت اُن کی گھٹی میں تھی۔ اور یہی وہ عمدہ عادت تھی۔ جسکے سبب بے شمار آدمی اُن کے دام اخلاق میں ہمیشہ کے لئے اسیر ہو گئے تھے۔

اپنے ماتحتوں اور نوکروں کے ساتھ نواب محسن الملک مرحوم کا برتاؤ وہی تھا۔ جو مامون رشید کا برتاؤ تھا۔ اُن کے عفو و تحمل کی عادت نے اُن کے نوکروں کو کسی قدر

شخ کر دیا تھا اور اکثر اوقات وہ ان کی شان کے خلاف گستاخی کر بیٹھتے تھے۔ مگر ممکن نہ تھا کہ وہ کسی نوکر کو اس کی گستاخی کی سزا دیں۔ یا ہمیشہ کے لئے اس سے ناراض ہو جائیں۔ نوکر ان کی عادت کو سمجھتے تھے اور اسلئے جب کبھی وہ کسی نوکر پر خفا ہوتے۔ تو وہ اپنے تئیں نہایت افسردہ اور ناراض بنا لیتا تھا۔ اس حالت میں نواب صاحب مرحوم خود اس نوکر سے اپنے برتاؤ کی معافی مانگتے تھے۔ اور بار بار مانگتے تھے جب تک کہ وہ یہ نہ کہدے کہ اب میں آپ سے راضی ہوں۔

قومی کاموں میں وہ اپنا روپیہ بے دریغ صرف کرتے تھے اور انکو مطلق خیال نہیں ہوتا تھا۔ کہ اس ایثار کا ان کے ذاتی اخراجات پر کیا اثر ہوگا۔ سرسید مرحوم نے جب سے مدرسۃ العلوم قایم کیا تھا۔ وہ ہمیشہ بے مانگے اور ان کے مانگنے پر اپنے ریچ سے مدرسہ کی امداد کرتے رہے۔

نواب محسن الملک اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے کبھی انتقام نہ لیتے تھے نہ اس خیال کو اپنے دل میں آنے دیتے تھے۔ وہ نہایت پاکیزہ خصلت اور شریف طبیعت بزرگ تھے۔ کبھی ان کے کسی مخالف یا دشمن کو یہ خیال نہیں آتا تھا کہ وہ اس سے انتقام لینے کے درپے ہیں۔

نہ ایام ملازمت میں اور نہ بعد ایام ملازمت کے کبھی ان کے دل میں حُبِّ جاہ کا خیال آیا۔ وہ جو کام کرتے تھے۔ اس غرض سے نہیں کرتے تھے۔ کہ گورنمنٹ ان کو کوئی اعزاز عطا کرے گی۔ یا قوم ان کے احسانات کا اعتراف کرے گی۔ ان کے تمام سرکاری اور قومی کام۔ جنکو وہ نہایت سخت محنت اور سرگرمی سے کرتے تھے۔ حب جاہ اور غرضمندی کے شائبہ سے پاک اور مبرّا ہوتے تھے

جس قدر قومی کام بڑے سے بڑے ان کے ہاتھوں سے سرانجام ہوئے۔ اگر ان میں سے ایک کام بھی کسی اور کے ہاتھ سے انجام پاتا۔ تو اس کے لئے نہایت فخر اور تعلی کا موقع تھا۔ مگر نواب محسن الملک نے کبھی اپنی ستایش یا تعلی کا اظہار خلوت یا جلوت اور تحریر یا تقریر میں نہیں کیا۔ وہ اپنے تئیں قومی کاموں میں ہمیشہ گمنام رکھنا چاہتے تھے۔

تمام وہ انسان جو قوم کی خاطر اپنی ہستی کو بھول جاتے ہیں اور اپنی شخصیت کو مٹانے پر کربستہ رہتے ہیں یہ ممکن نہیں کہ ان کی ذات گمنام ہو جائے اور ان کا نام و نشان دنیا میں چاند سورج بنکر نہ چمکے۔ نواب محسن الملک کی ایسی بے نام و نمود رہ کر کام کرنے کی عادت نے ان کو دنیائے اسلام میں مسلم الثبوت قومی لیڈر بنا دیا تھا۔

مرحوم ذاتی صفات کے لحاظ سے نادرہ روزگار تھے۔ اس درجہ اس عزت اس رتبہ پر ان کے اخلاق کا یہ حال تھا۔ کہ ادنےٰ درجہ کے آدمیوں سے بھی با ادب و عزت ملتے تھے۔ ملاقات میں ہمیشہ پیش قدمی کرتے تھے۔ سب سے جھک کر ملتے تھے۔ اسکے ساتھ نہایت فراخ حوصلہ۔ فیاض بھی اعلیٰ درجہ کے تھے اور یہی اوصاف تھے جن کی وجہ سے انہوں نے ایک عالم کو مسخر کر لیا تھا۔

یادگار اور جانشینی

۱۸۔ اکتوبر کو نواب محسن الملک مرحوم کی تدفین کے بعد ٹرسٹیوں نے سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ تھا کہ مرحوم کی کوٹھی پر بصدارت نواب وقار الملک بہادر ایک جلسہ ہوا۔ جس میں تحریک کی گئی کہ نواب محسن الملک مرحوم کی یادگار میں ایک بورڈنگ ہاؤس تعمیر کرنے کے لئے ایک لاکھ روپیہ عام چندہ سے جمع کیا جائے۔ اور بعد اس بورڈنگ ہاؤس کے کرایہ کی آمدنی سے طلبہ کو وظائف دیئے جائیں۔ مگر بعد میں خیال کیا گیا۔ کہ اس غرض کے لئے ایک لاکھ روپیہ کافی نہیں ہے۔ کم از کم تین لاکھ روپیہ ہونا چاہیئے۔ اس رقم کے فراہم کرنے کے لئے محسن الملک میموریل فنڈ کمیٹی قائم ہوئی ہے جسکے پریسیڈنٹ نواب وقار الملک۔ سکرٹری خان بہادر نواب محمد مزمل اللہ خان صاحب اور جوائنٹ سکرٹری ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب ہیں۔

۱۸۔ اکتوبر ہی کے جلسہ میں یہ بھی طے ہو گیا تھا کہ علیگڈہ کالج کی سکرٹری شپ کا عہدہ جو نواب صاحب مرحوم کی وفات سے خالی ہو گیا ہے۔ وہ جلد سے جلد پُر کیا جائے۔ انتخاب سکرٹری شپ کے لئے ۵ دسمبر مقرر ہوئی ہے۔ چونکہ

خان بہادر نواب محمد مزمل اللہ خان صاحب ایک عرصہ سے کالج کے جوائنٹ سکرٹری شپ کا کام کر رہے ہیں اسلئے ممکن تھا کہ آپ کو بھی انتخاب میں بلایا جاتا۔ لیکن خان بہادر ممدوح نے نہایت دانشمندی کے ساتھ اپنا نام انتخاب سے الگ کر لیا اسوقت عام رائے اور اکثر ٹرسٹیوں کا رجحان نواب وقار الملک بہادر[1] کیجانب ہے۔

عام ماتم اور اعتراف خدمات

نواب محسن الملک مرحوم کی وفات نے کل ہندوستان میں عموماً اور ہندوستان کے مسلمانوں میں خصوصاً ایک غیر معمولی ہل چل ڈال دی ہے۔ اور ان کا ماتم نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہندوستان سے باہر بھی کیا گیا ہے۔ بیرون ہند میں بے شمار ماتمی جلسے ہوئے ہیں۔ اور لاتعداد تعزیتی تار اور خطوط علیگڈھ پہنچے ہیں۔ گورنمنٹ کے تمام اراکین اور اکثر اعلےٰ حکام تک نے اظہار تاسف وہمدردی کیا ہے۔ بہت سے والیان ریاست اور امراء و وزراء نے ماتم پرسی کی مراسم ادا کی ہیں۔ اور تمام ملکی اور اکثر غیر ملکی اخبارات نے ماتمی مضمون لکھے ہیں۔ الغرض نواب صاحب مغفور کے ماتمی لٹریچر کا ایک دفتر ضخیم ابتک تیار ہو چکا ہے۔ جسکا سلسلہ ہنوز جاری ہے اور نہیں معلوم کب تک جاری رہیگا۔ ان کی خدمات کو گورنمنٹ اور ملک و قوم کے حق میں نہایت بیش بہا تسلیم کیا گیا ہے۔ حضور نظام عالی مقام نے مرحوم کی تعلیمی خدمات کے اعتراف میں مرحوم کی بیگم صاحبہ کا وظیفہ حین حیات ۳۰۰ سو روپے ماہوار کا مقرر کیا ہے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے اندر نواب محسن الملک مرحوم کا ماتم غالباً صرف سرسید سے دوسرے درجہ پر ہوا ہے۔

مراثی اور تاریخہائے وفات

اگرچہ نواب محسن الملک مرحوم کی وفات پر کثرت سے مرثیے لکھے گئے ہیں۔ اور بیشمار تاریخیں کہی گئی ہیں۔ لیکن اس کتاب میں صرف مولانا حالی مدظلہ العالی کی

[1] نواب وقار الملک بہادر بلا اختلاف منتخب ہو گئے۔

رباعیوں اور مولانا سید امجد علی صاحب آشہری کے مرثیہ اور چند بہترین مادہ ہائے تاریخ پر اکتفا کیجاتی ہے:-

رباعیان

۱

ہیہات وہ تعلیم کا حامی مہدی
سید کا وصی قوم کا ہادی مہدی
برسوں یہ صدا رہیگی کالج میں بلند
مہدی! مہدی! دریغ مہدی! مہدی

۲

مرکر مہدی نے زندگانی پائی
جی کھو کے جز لے جانفشانی پائی
زندہ تھے تو چند روزہ مہمان تھے یہاں
جب مرگئے عمر جاودانی پائی

۳

بے عذر ہر ایک کام انجام دیا
تھکنے کا نہ بھول کر کبھی نام لیا
جو کام یہ اُس کے نکتہ چین تھے شب و روز
دی جان انہیں کے کام میں کام کیا

۴

مہدی کے گئی نہ دل سے کالج کی لگن
یاں تک کہ ہوا اس کے کفن زیب بدن
پورا کیا جیسے پال نے دین مسیح
اُس نے یونہی پورا کیا سید کا مشن

۵

دم بھر نہ کبھی جان کو آرام دیا
خدمت کے لئے قوم کی مرمر کے جیا
پیری ہوئی سد راہ اُسکی نہ مرض
صدیوں کا تھا جو کام وہ برسوں میں کیا

۶

مدراس میں سوتوں کو جگایا جا کر
غل علم کا برہما میں مچایا جا کر
چھائی ہوئی مُردنی جہاں قوم میں تھی
واں آب حیات ان کو پلایا جا کر

۷

پیری میں جوانوں کو کیا مات اُس نے
آرام پہ اپنے ماردی لات اُس نے
تدبیر سے محنت سے دکھا دی سب کو
کالج کی ترقی میں کرامات اُس نے

جو قوم کی دوستی کا دم بھرتے ہیں خدمت پہ وطن کی ناز جو کرتے ہیں۔
مہدی سے وہ سیکھ لیں کہ اس کوچہ میں یوں رہتے ہیں یوں جیتے ہیں یوں تے مرتے ہیں

مرثیہ رحلت نواب محسن الملک مرحوم

(تصنیف مولانا اشہری صاحب جالی مقیم لکھنؤ)

مہدی[1] کا شجر باغ سے سید[2] کی قلم ہے جو ہاتھ ہے شنجرف سے یاقوت رقم ہے
جان لب پہ ہے لب بستے ہیں مشتاق[3] ارم ہے دنیائے دنی سے سفر ملک عدم ہے
بی بی ہے نہ بھائی نہ عزیز[4] و رفقا ہیں۔
اسوقت کے جو حرف ہیں وہ ہوش رُبا ہیں

رُخ سُرخ ہوا بادہ احمر کے سبب سے ہے بے کسی پاس کھڑی پاس ادب سے
اب قطع تعلق ہے دل جاہ طلب سے نزدیک قضا اسکے ہے وہ دور ہے سب سے
شملہ[5] پہ ہے سر پر یہ قضا طول مرض ہے
کالج سے تعلق نہ علیگڈھ سے غرض ہے

معلوم ہوا جب اسے اب پاس ہے رحلت اور پاس نہیں کوئی یہاں جز غم و حسرت
تب باغم و اندوہ باندازۂ غربت سردار[6] علیخان سے کہا راز وصیت
فرمایا اٹاوہ کو مری لاش رواں ہو
وہاں دفن قریب پدر خلد مکاں ہو

لہراتا ہے تابوت پہ دامان شفاعت[7] پہلے سے ہی مہدی کیلئے وا در جنت
خدام ہیں صف بستہ کھڑے باغم و حسرت شملہ کے مسلمان ہیں کمر بستہ خدمت

---

[1] مہدی علی [2] سید احمد خان [3] رعایت نام مولوی مشتاق حسین [4] سید عزیز حسن و سید رفیق حسن برادرزادگان مرحوم [5] انڈیا کونسل اور دوسری کونسلوں میں مسلمانوں کے قومی حقوق کے متعلق لارڈ منٹو سے گفتگو کرنے اور نیز اپنے حفظ صحت کی غرض سے شملہ تشریف لے گئے تھے۔ [6] سردار علیخان رئیس متول بمبئی جو شملہ پر محسن الملک کے ساتھ تھے۔ [7] ڈاکٹر شفاعت اللہ ساتھ تھے۔ ۱۲

اب ڈاک پہ تابوت رواں ہوتا ہے دم میں
ہستی کو لئے آتے ہیں آغوشِ عدم میں

بنگلہ پہ گری برق مصیبت ہے ستم کی ۔ بجلی نے خبر تار پہ بھیجی ہے عدم کی
اُمڈے ہوئے بادل ہیں گھٹا چھائی ہے غم کی ۔ احباب میں کچھ حد نہیں اس رنج و الم کی
اردو کی صدا خاطرِ مغموم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

القصہ اٹاوہ کو ہوئی لاش روانہ ۔ ہر ایک کا دل تیرِ الم کا تھا نشانہ
آئی تھی اجل ان کی مرض کا تھا بہانہ ۔ تاریخ میں مذکور رہے گا یہ فسانہ
پہنچی جو علیگڈھ میں تو اک جوش تھا سب کو
بھولے ہوئے اس جوش میں تھے رنج و تعب کو

مشتاق نے ظاہر کیا اشفاق کو اپنے ۔ اشفاق نے بھی پالیا مشتاق کو لپنے
ظاہر کیا احباب نے اخلاق کو اپنے ۔ آراستہ حجرہ نے کیا طاق کو لپنے
سید کے برابر وہیں مدفن ہوا اس کا
گلزارِ علیگڈھ میں نشیمن ہوا اس کا

مرحوم کے جب دفن سے حاصل ہوئی فرصت ۔ تار آیا اٹاوہ میں کہ آخر ہوئی خدمت
کی ہم نے عزیزانہ ادا رسمِ محبت ۔ اب آپ پڑھیں فاتحہ باصد غم و رقت
گریہ بھی ہو ماتم بھی ہو اندازِ بکا بھی
آراستہ روضہ پہ ہو سامانِ عزا بھی

میں خود متمنی تھا کہ وہ دفن وہیں ہو ۔ سید کے جنازہ کو علیگڈھ کی زمیں ہو
قبر اسکی وہیں کعبۂ مسجد کے قریں ہو ۔ جو آدمِ ثانی ہے وہ فردوس نشیں ہو

[illegible]

فردوس میں روشن اگر نام اب وجد ہو
آدم کے قرین آدم ثانی کی لحد ہو۔

لیکن نہ ہوا حسب وصیت یہ سرانجام افسوس اٹاوہ نے نہ پایا شرف نام
جو خاص محل تھا وہ ہوا وقف رہ عام خالی رہے مہدی سے مہیرے[1] کے دروبام

مہدی سے نہ جا روضۂ عباس میں پائی
بھائی کے قرین دفن ہوا آہ نہ بھائی

پربھنی[2] واندور میں دو بھائی ہیں انکے ہیں ایک امیر[3] ایک علی[4] وجہ حسن سے
وہ مدفن محسن پہ پس از دفن تھے پہنچے دل تھام کے تا دیر رہے فاتحہ پڑھتے

اب فاتحہ پڑھنے کے سوا کچھ نہ رہا تھا
موقع ہی نہ اسکا تھا جو محسن نے کہا تھا

شمس العلما شبلی نعمانی و حالی پھر ہوں سخن آرائے مضامین خیالی
طوبا میں لگا آئیں نئے رنگ کی ڈالی ہوں دنگ جسے دیکھ کے فردوس کے مالی

فردوس میں غل ہو نہیں دیکھی قلم ایسی
طوبا کہے ملتی نہیں شاخین بہم ایسی

اے خلد علیگڈھ ترا آدم ہوا رخصت پنجاب ترا قبلۂ عالم ہوا رخصت
بنگال ترا مونس و ہمدم ہوا رخصت مدراس ترا مصلح اعظم ہوا رخصت

اے دہلی و لاہور عزادار بہم ہو
اے لکھنؤ و آگرہ مصروف الم ہو

جو سرو تھا اس باغ کا وہ آج رواں ہے گلزار علی باغ حسن وقف خزاں ہے
رنگینئ رخ سرخئ عارض سے عیاں ہے خون قوم کے بچوں کیلئے جوش زناں ہے

---

[1] مہیرا ایک سواد کا نام ہے جہاں روضۂ عباس واقع ہے [2] پربھنی نام ضلع متعلق اورنگ آباد سٹیٹ اندور سنٹرل انڈیا کی مشہور ریاست [3] مولوی سید امیر حسن صاحب تعلقدار دتول دھلکھڑا ضلع پربھنی [4] مولوی سید علی حسن صاحب ریونیو ممبر کونسل ریاست اندور [5] شرح بادہ کے ... نے یہ کیفیت پیدا کی تھی ۱۲ منہ

گلگونہ ملا چہرہ پہ ہے رنگ شفق کا
ہوتا ہے گمان چہرہ پہ سونے کے طبق کا

پیدا ہوئی تہذیب کی جب یہ روشنی تو | اسکے رُخ روشن سے ملی قوم کو یہ ضو
پھیلا در و دیوار پہ اس ماہ کا پرتو | اک شمع فسردہ نے نئی طرح سے دی لو

سیّد کا معاون رہا وہ شادی و غم میں
وہ آپ نظیر اپنی تھا احسان و کرم میں

جو کام دکن میں کئے مقبول ہیں سارے | جو کام تھے بگڑے وہ فراست سے سنوارے
کالج تھا تنزل پہ یہ ہمت نہیں ہارے | پھر اسکو لگا لائے ترقی کے کنارے

سید کے زمانے سے بہت بڑھ گیا کالج
شاہوں کی نگاہوں پہ بھی اب چڑھ گیا کالج

کس شان سے کی اسنے ہے تکمیل عمارت | ہر قصر سے شاہانہ عیاں ہوتی ہے سطوت
چندہ میں ملے پندرہ لاکھ اسکی بدولت | شہزادہ[۱] سے منظور کرائی وہیں دعوت

کابل کے امیر اس کی[۲] مدارات سے آئے
شاہی کے خیالات فقیری میں دکھائے

عبرت کی ہے جا فاعتبروا یا اولی الابصار | روداد سے ہوتیں جنازوں کے خبردار
توضیح مقاصد کی ضرورت نہیں زنہار | اجمال سے تفصیل معانی ہے نمودار

مذہب سے نہ آزاد ہو پابند عمل ہو
تا وقت پہ کوئی نہ ذلل ہو نہ خلل ہو

ہے محسن مرحوم کی لائف کا بڑا کام | دشوار ہے سید کی بھی لائف سے سوا کام
کہاں لطف اگر چھیڑ کے کوئی رہے ناکام | یہ کام ہے خاص اسکو نہ سمجھو سخن عام

---

۱ پرنس آف ویلز ولی عہد انگلستان و ہندوستان ۱۲۔

۲ ۔ ہز مجسٹی محمد حبیب اللہ خان بہادر فرمانروائے افغانستان ۱۲۔

اک سال دکن اور علیگڈھ میں گنوائے
تب گوہر مقصود کہیں پائے تو پائے

انگریزی میں درکار ہے بی اے کی لیاقت — دانائی میں ہو شہرۂ آفاق ذہانت
رکھتا عربی میں بھی ہو معقول مہارت — ہو پارسی و اردو میں دانائے سیاست

تب جا کے وہ اس کام میں مصروف رقم ہو
سرمایہ کو بھی چاہیئے معقول رقم ہو

سید کی ہے جن کاموں سے آفاق میں شہرت — ان سب میں کم و بیش ہے مہدی کی بھی شرکت
لیکن کیئے مہدی نے ہیں جو کام بکثرت — سید کا نہیں ان میں سے کچھ دخل طبیعت

اب دونوں کو تم دیکھ لو معیار عمل میں
حاصل ہو نتیجہ تمہیں اس رد و بدل میں

اے اشہری سوختہ جاں ضبط فغاں کر — جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب ختم بیاں کر
مرحوم کے حق میں طلب قصر جناں کر — خاموشی تقریر کو اب قفل دہاں کر

جو روز گیا پھر کے وہ اب دن نہیں آتا
پھر لوٹ کے اب قوم کا محسن نہیں آتا

نتیجہ فکر مسٹر سلطان خان صاحب از دفتر ہیگر لی کمپنی دہلی

محسن الملک جو پہنچے جنت — کم ہوئی رونق باغ کالج
لکھ سر آہ سے سلطان تاریخ
گل ہوا آج چراغ کالج

۱۳ ھ ۲۵

نتیجہ فکر جناب ناظر صفدر حسین خاں صاحب گورکھپوری

محسن دولت و محسن الملک — حامی دین مسلمانی۔

سید مہدی علیخان آہ! ناگاہ از دار فانی
چون سوئے جنت فرمود تشریف خود ارزانی
از پاس ادب و رتبہ عدوے کم کنی و خوانی
درسال بنوی سالش سید احمد خان ثانی
۱۳۲۸ھ

ایضاً

جس گھڑی سید احمد خان مرے غل ہوا غمخوار ہندوستان مرے
ناصر قوم مسلمانان ہند حامی دین مسلماناں مرے
شوق یونیورسٹی کا تھا انہیں کر گئے اسکا بھی سروساماں مرے
قالب مہدی علی میں آ گئے اپنا قالب چھوڑ کر بیجان مرے
دس برس کے بعد جب وہ بھی ہوئے ہمسر سید احمد خان مرے
بول اٹھا بے ساختہ جسنے سُنا
زندہ ہو کر سید احمد خان مرے
۱۳۲۸ھ

نتیجہ فکر منشی عبدالجلیل خان صاحب صبور و جلال میرٹھی

حیف کہ خیرخواہ قوم محسن ملک بودہ است کیں خورسعی آمدہ ست طالع اوج اوفتاد
صدمۂ فتنہ زاے حشر انیقدر از وفات او کز دل بیقرار ما صبر و شکیب ہم شتافت
مرگ ور اسن الم کرد صبور این رقم
اوج بظل مصطفا مہدی علی عجیب یافت

منشی محمد مستجاب اللہ خاں صاحب مقبول بلونوی (جن کی سید کی تاریخ وفات غُفِرَلہٗ سب سے زیادہ مقبول ہوئی) نواب محسن الملک کی وفات ۱۳۲۵ھ کا مادہ تاریخ یُغفرُلہٗ سے نکالا ہے۔ محمد صابر علی خانصاحب شروانی نے سر سید اور نواب محسن الملک کے مادے

خیرالدین باربروسہ:- اس مشہور مسلمان امیرالبحر کے جنگی کارناموں اور مسلمانوں اور عیسائیوں کی بحری حالت کا مختصر بیان (۱۳۲) صفحہ ۳ر

لارڈ رابرٹس:- سپہ سالار افواج انگلستان و سابق سپہ سالار افواج ہند کی سوانعمری (۷۲) ۵ر

حکیم ارسطو:- حکیم ارسطاطالیس یونانی کی زندگی ۴۴ صفحہ ۳ر

چہار مقالہ:- نظامی۔ عروضی سمرقندی کے مشہور کتاب حکایات مشاہیر شعرائے ایران قابل دید ہے

بنجمن فرنیکلن:- امریکہ کے مشہور فلاسفر بہادر اخبار نویس کی سوانح عمری اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی امریکہ میں ہزاروں لوگوں نے صرف اس شخص کی زندگی کو نمونہ بنا کر عزت اور کامیابی حاصل کی ہے۔ منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار نے ترجمہ کیا ۲۴۲ صفحہ عہ ر

جنرل گارڈن:- چین و مصر کا مشہور انگریزی جنرل (۴۰) صفحہ ۲ر

حیات سودا:- ملک الشعراء ہند مرزا رفیع السودا مشہور ہجوگو (۱۰۸) صفحہ ۶ر

حیات نادری:- ایشیا کے مشہور بہادر سپاہی شہنشاہ نادر کی حیرت انگیز ترقیوں اور یلغاروں کے حالات ۲ر

جان ملٹن:- ملک الشعراء انگلستان کی سوانعمری (۴۴) صفحہ ۲ر

جوزف میزینی:- اٹلی کے نامور ریفارمر جوزف میزینی کی زندگی اور جدوجہد کے دردانگیز ممراز پر سبق آموز حالات ۱۰۰ صفحہ ۸ر

تذکرہ اشوک:- ہندوستان کے قدیم مہاراجہ اور بدھ مذہب کے خاص اور رحمدل بادشاہ تذکرہ ۸۰ صفحہ ۲ر

مرقع تصاویر حصہ اول:- اسمیں زمانہ حال کے ہر قوم اور ملک کے تیئس نامور اور مشہور لوگوں کی عمدہ تصاویر ۱۱ انچہ × ۹ انچہ مع حالات موجود ہیں۔ جو ہر تصویر قابل آویزان کی تفصیل کی گنجایش کہنے کے ہے ناموں نہیں۔ ملنے ۔

ایضاً حصہ دوم:- اسمیں مشاہیر عہد کے چوبیس قابل دید مرقع حالات تقطیع بالا کے ہیں ۳ ملنے ۔

" حصہ سوم:- اسمیں ستائیس قابل دید حالات معہ تصویریں ہیں ۳ ملنے ۔

" چہارم:- اس میں تیئس تصاویر قابل دید معہ حالات ہیں ۳ ملنے ر

یہ حصے ختم ہو جانے کے بعد ایسا ذخیرہ تصاویر ملنا مشکل ہو جائے گا۔

جیمس واٹ:- دخانی انجن کے موجد کی سوانعمری ۲ر

مہاتما بدھ:- مہاتما بدھ بانی مذہب کی سوانعمری (۲۶) صفحہ ۲ر

نپولین بوناپارٹ:- فرانس کا عظیم الشان بہادر سپاہی بادشاہ ۲ر

نورجہان بیگم:- شہنشاہ جہانگیر کی چہیتی ملکہ ۲۰ صفحہ ۱ر

سر جمشیدجی جیجے بھائی:- مشہور پارسی کروڑپتی اور فیاض شخص کی زندگی کے حالات اور انکی سوانح عمری کا ترجمہ عہ ر

ابراہیم لنکن:- اضلاع متحدہ امریکہ کے نامور پریسیڈنٹ جو نہایت افلاس کی حالت سے اس عظیم الشان رتبہ تک اپنی قوت بازو سے پہنچ گیا ہو (۱۰۶) صفحہ ۵ر